راہِ حق کے

دو مُسافر

حضرت سلمان فارسیؓ اور امام شافعیؒ

کے

دِل چسپ اور سبق آموز سفرنامے

(۱۱۶)

محمد یوسف اِصلاحی

البدر پبلی کیشنز، ۲۴۔ بی اُردو بازار لاہور

راہِ حق کے دو مسافر

تعارف

سفر لوگ پہلے بھی کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو تاریخ میں محض اس وجہ سے مشہور ہوئے ہیں کہ اُنھوں نے دُور دُراز ملکوں کے سفر کیے اور سیّاح کہلائے۔

ہر زمانے میں لوگوں نے مختلف مقاصد کے لیے سفر کیے۔ اور آج بھی یہی حال ہے کوئی اپنی تجارت کو ملکوں ملکوں پھیلانے اور زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے لیے سفر کرتا ہے کوئی بڑی بڑی ڈگریاں لینے اور شہرت حاصل کرنے کے لیے سفر کرتا ہے، کوئی علم حاصل کرنے اور معلومات بڑھانے کے لیے سفر کرتا ہے، کوئی مختلف ملکوں کے لوگوں کو قریب سے دیکھنے اُن کی زبانیں سیکھنے اور ان کے رہن سہن کے طور طریقے سمجھنے کے لیے سفر کرتا ہے، کوئی محض قدرتی مناظر دیکھنے اور حکمت الٰہی کے کرشموں سے لُطف اندوز ہونے کے لیے سفر کرتا ہے۔ غرض کوئی محض دنیوی مقصد کے لیے سفر کرتا ہے اور کوئی دین کی دولت سے مالا مال ہونے کے لیے۔

پھر یہ سفر کرنے والے اپنے سفر سے خود تو فائدہ اُٹھاتے ہی ہیں۔ اُن لوگوں کو بھی ان کے سفر سے بڑا فائدہ ہوتا ہے جو ان کے سفرنامے پڑھتے اور سنتے ہیں پہلے بھی لوگ اپنے سفر کے حالات لکھتے تھے اور اپنے سفر کے عجیب و

غریب واردات، حیرت انگیز مشاہدات، دلچسپ واقعات، مفید تجربے، سفر کے فائدے اور نئی نئی معلومات مرتب کر کے دوسرے پڑھنے اور سُننے والوں کو فائدہ پہنچاتے تھے۔ آج بھی سفرنامے لکھے جاتے ہیں بلکہ آج کل تو چونکہ لکھنے پڑھنے کا رواج زیادہ ہے اس لیے سفرنامے مرتب کرنے کا رواج بھی بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔

اس وقت جو کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے اس میں دو بزرگوں کے عجیب و غریب سفرنامے ہیں۔ پہلا سفرنامہ تو حضورؐ کے مشہور صحابی حضرتِ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا ہے، جو حق کی تلاش میں طرح طرح کی مصیبتیں جھیلتے ہوئے اصفہان سے مدینے پہنچے تھے اور دوسرا سفرنامہ مشہور محدّث اور امام حضرت محمد ابنِ ادریس شافعیؒ کا ہے، جو محض حدیثِ رسولؐ کا علم حاصل کرنے کے لیے ملکوں ملکوں گھومے۔

یہ سفرنامے دلچسپ بھی ہیں اور ایمان کو تازہ کرنے والے بھی سبق آموز بھی ہیں اور اسلام کی تڑپ پیدا کرنے والے بھی، اسی لیے ان کا نام راہِ حق کے دو مسافر رکھا گیا ہے۔

خدا سے دُعا ہے کہ وہ ہم سب کو ان سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق بخشے اور علم و عمل کی راہیں آسان فرمائے۔

محمد یوسف اصلاحی

ایک مسافر
علم کے شوق میں

سیکڑوں میل کا سفر کر کے مدینہ منوّرہ سے شام پہنچتا ہے اور دمشق کی مسجد میں پیارے صحابی حضرت ابوالدرداءؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔

صحابی: کہئے بھائی! کیسے آنا ہوا؟

مسافر: حضرت! آپ کی زبان سے صرف ایک حدیث سننے کے لیے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ حدیث آپ نے خود نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مبارک زبان سے سنی ہے۔

صحابی: واقعی آپ کسی اور غرض سے نہیں آئے ہیں؟

مسافر: جی ہاں حضرت! اور کوئی غرض نہیں ہے۔

صحابی: کسی کاروباری ضرورت سے تو نہیں آئے ہیں؟

مسافر: جی نہیں، کوئی کاروباری ضرورت نہیں ہے۔

صحابی: صرف حدیثِ رسولؐ کے شوق میں آئے ہیں تو سُنیے میں نے خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ مبارک سے سُنا ہے آپؐ ارشاد فرماتے تھے۔

"جو شخص تلاشِ علم کے شوق میں کسی راہ پر نکلتا ہے، تو خدا اُسے جنّت کو جانے والی راہ پر چلاتا ہے، اور فرشتے اُس کی خوشی کے لیے اُس کی راہ میں اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور زمین و آسمان کی ساری مخلوقات یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی عالمِ دین کے لیے دُعائیں کرتی ہیں کہ خدایا! تو اِسے بخش دے! اور ایک عبادت گزار کے مقابلے میں ایک عالمِ دین کی بڑائی اتنی ہی زیادہ ہے، جتنی ایک چاند کی بڑائی آسمان کے تمام ستاروں کے مقابلے میں۔

اور انبیاءؑ کی میراث پانے والے وہی لوگ ہیں جو دین کا علم حاصل کریں۔ کیونکہ انبیاءؑ کی میراث نہ سونے کے سکّے ہیں اور نہ چاندی کے، ان کی میراث تو صرف دین کا علم ہے،

پس جس نے یہ دولت پالی، اُس خوش نصیب نے بہت بڑی دولت پالی۔

(الحدیث)

حضرتِ سلمان فارسیؓ

حق کی تلاش میں

اصفہان سے

- شام پہنچے
- موصل پہنچے
- نصیبین پہنچے
- عموریہ پہنچے
- مدینہ منورہ پہنچے
- اور آخر کار نبی عربیؐ کی خدمت میں پہنچ کر ایمان و اِسلام کی دولت سے مالامال ہوئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچپن کی یاد

"جی" ایک چھوٹا مگر بڑا پیارا گاؤں ہے، یہ اصفہان کے علاقہ میں ہے۔ میں اسی گاؤں میں پیدا ہوا۔ ماں باپ نے میرا نام "مابہ" رکھا اور بڑے لاڈ پیار سے میری پرورش کی۔ میرے والد "بوذخشان" "جی" کے بڑے مشہور زمیندار تھے۔ ہم لوگ مجوسی تھے اور آگ کو پوجتے تھے۔

ابا کو مجھ سے بہت ہی محبت تھی، دم بھر کے لیے نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ ہر وقت کنواری لڑکیوں کی طرح نگرانی فرماتے تھے اور کسی وقت گھر سے نہ نکلنے دیتے۔ جب کھیت پر دیکھ بھال کے لیے جاتے تو گھر میں تاکید کر جاتے کہ بیٹا باہر نہ جائے خیال رکھنا۔ اور میں لڑکیوں کی طرح گھر میں رہا کرتا۔

ہمارے گھر میں ایک آتش کدہ تھا جس میں ہر وقت آگ جلتی رہتی، مجھے شروع ہی سے مذہبی کاموں سے بڑی دلچسپی تھی۔ ہم لوگ چونکہ

آتش پرست تھے اور آگ جلانا ہی ہماری عبادت تھی، اس لیے میں ہر وقت اسی عبادت میں لگا رہتا، ہمارے یہاں جو مذہبی لوگ آگ جلانے کے کام پر مقرر ہوتے تھے، ان کو قطن کہا جاتا تھا۔ ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ آتش کدہ میں ہر وقت آگ جلائے رکھیں اور کسی وقت بجھنے نہ دیں۔ میں بھی چونکہ ہر وقت آگ جلانے میں لگا رہتا تھا اس لیے گھر کا قطن بن گیا۔ اب میرا ایک ہی محبوب مشغلہ تھا کہ ہر وقت آگ بھڑکاتا رہوں اور گھڑی بھر کے لیے بجھنے نہ دوں۔

اسی طرح زندگی کے دِن گزرتے رہے اور میں بے فکری کے ساتھ اپنے کاموں میں مگن، بچپن کے شب و روز بتاتا رہا، ایک دِن کی بات کہ گھر میں کچھ مرمت کا کام تھا، ابا نے مزدور لگا رکھے تھے، مجھ سے بولے بیٹا! آج مجھے گھر میں یہ سب مرمت کرانا ہے، تم ایسا کرو کہ کھیت پر ہو آؤ اور مجھے کھیت کا سارا کام جو اس دِن کرنا تھا سمجھا کر رخصت کیا لیکن سخت تاکید فرمائی کہ بیٹا شام ہونے سے پہلے گھر لوٹ آنا ورنہ بڑی فکر رہے گی۔

حق کی پہلی جھلک

میں خوش خوش چاروں طرف دیکھتا ہوا کھیت کے راستہ پہ چلا

جا رہا تھا اور ہر چیز کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس لیے کہ گھر سے نکلنے کا موقع بہت ہی کم مل پاتا تھا۔ راستہ میں ایک بڑی ہی خوبصورت عمارت تھی، یہ عیسائیوں کا عبادت خانہ تھا۔ مَیں قریب پہنچا تو کانوں میں آوازیں آئیں بہت سے لوگ مل کر بڑے جذبے کے ساتھ اونچی آواز میں کچھ پڑھ رہے تھے۔ آوازیں اتنی پیاری تھیں کہ بے اختیار دِل کھنچ رہا تھا۔ مذہبی کاموں سے تو مجھے لگاؤ تھا ہی مَیں وہیں رُک گیا اور پھر شوق میں اندر بڑھا چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ نورانی چہروں والے کچھ لوگ صف باندھے کھڑے ہیں اور کسی اَن دیکھے خدا کے گُن گا رہے ہیں، مجھے اُن کی یہ عبادت بہت ہی پسند آئی اور مَیں اس کو دیکھنے میں ایسا کھویا کہ کھیت کا آنا جانا سب بھول گیا۔ شام تک وہیں رہا اور مجھے خود بخود ان کے مذہب سے دلچسپی ہونے لگی۔ میرے دِل نے کہا پیدا کرنے والے کی قسم ان کا مذہب ہمارے مذہب سے بہت اچھا ہے۔

اب مَیں نے ان لوگوں سے گفتگو کی اور دِل کی بات زبان پر لایا، مَیں نے کہا، مجھے آپ لوگوں کے مذہب سے دِلچسپی ہوتی جا رہی ہے اور خاص طور پر یہ آپ لوگوں کی نماز تو مجھے بہت ہی پسند آئی، آپ یہ بتائیے کہ اس مذہب کا مرکز کہاں ہے؟

عیسائیوں نے جواب دیا شام میں، اور وہ میری باتوں سے بہت ہی خوش ہوئے میں کچھ دیر ان سے بات چیت کرنے کے بعد گھر لوٹ آیا۔

شام ہو چکی تھی، رات کا اندھیرا چھا چکا تھا۔ ابا جان میری فکر میں بے چین ٹہل رہے تھے اور چاروں طرف میری تلاش میں آدمی بھیج دیئے تھے، میں گھر میں داخل ہوا تو دیکھتے ہی مجھے چمٹا لیا۔ اور ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو رواں ہو گئے۔ بار بار میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑتے اور کہتے بیٹا تم اتنی دیر کہاں رہے، میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ شام سے پہلے گھر آجانا اور تم نے اتنی دیر کر دی، تم نے سوچا نہیں کہ باپ کو کتنی تکلیف ہو گی تمہاری فکر میں گھر کا کام بھی نہ ہو سکا اور پریشانی الگ ہوئی، میں نے دیکھا کہ باپ کی آنکھوں میں پیار کے آنسو تھے۔

باپ دادا کے مذہب سے بیزاری

میں آج کسی اور ہی دھن میں تھا۔ بن دیکھے خدا کی عبادت کی آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں، میں نے حق کے جوش میں ابا کو دن بھر کی روداد سنانی شروع کی۔

"ابا کھیت کے راستہ میں جو ایک خوبصورت سی ... رت ہے ... ار۔
... گزرا تو کچھ پڑھنے کی آوازیں سنائی دیں ... رک گیا ...

میں بڑی کشش تھی اور میں شوق میں اندر چلا گیا۔ عیسائی لوگ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور اس جذبے کے ساتھ اپنے خدا کی عبادت میں مشغول تھے کہ میرا دل بے اختیار کھنچنے لگا اور میں شوق میں ایسا کھویا کہ کھیت کا کام کاج سب بھول گیا اور سورج ڈوبنے تک میں وہیں اُن کی یہ عبادت دیکھتا رہا۔ ابا یہ نورانی چہروں والے لوگ کچھ اس انداز سے اپنے اَن دیکھے خدا کے گُن گا رہے تھے کہ میری رُوح جھوم اٹھی اور میرے دل نے گواہی دی کہ یہی سچا دین ہے اور عبادت کا یہی طریقہ بہترین طریقہ ہے۔

ابا نے کہا نہیں بیٹا! مذہب تو بس وہی سچا ہے جو ہمارے باپ دادا کا مذہب ہے، ان کے مذہب میں کیا رکھا ہے۔ تم اپنے باپ دادا کے طریقے پر ہی خدا کی پوجا کیا کرو، ہمارا مذہب ان عیسائیوں کے مذہب سے کہیں اچھا ہے۔

مَیں نے بڑی سادگی اور جوش میں جواب دیا نہیں ابا ان عیسائیوں کا مذہب تو بہت ہی اچھا ہے۔ ایک خدا کی عبادت، ابا! عبادت کا یہی طریقہ صحیح ہے اور یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ ہم اُس کی عبادت میں کسی اور چیز کو شریک کریں، مَیں تو اب ہرگز آگ کی پوجا نہ کروں گا۔ بس ایک ہی بن دیکھے خدا کے گُن گاؤں گا اور اُسی کی خوشی کے کام کروں گا۔ خدا کی قسم عیسائیوں کا دین ہمارے دین سے بہت بہتر ہے۔

میری یہ باتیں سُن کر ابّا کو بڑی فکر ہوئی کہ کہیں بچہ مذہب نہ بدل ڈالے اور عیسائی نہ ہو جائے۔ بھلا وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ میں باپ دادا کا مذہب چھوڑ دوں۔

حق کی خاطر پہلی آزمائش

اب ابّا نے میری نگرانی سخت کر دی اور میرے پیروں میں بیڑیاں ڈلوا دیں کہ میں پھر گرجا گھر نہ جا سکوں۔

میں صبر و شکر کے ساتھ یہ قید و بند کے دِن گزارتا رہا اور یہ سوچتا رہا کہ کسی طرح عیسائیوں کے پاس پہنچ جاؤں، میں نے خاموشی کے ساتھ ایک ملازم کو اپنا راز دار بنا لیا اور اس کے ذریعے گرجا کے عیسائیوں کو یہ کہلوا دیا کہ جب شام سے تاجروں کا کوئی قافلہ آئے تو مجھے ضرور اطلاع کرا دینا، کچھ ہی دِن گزرے تھے کہ شام کے عیسائیوں کا ایک قافلہ اصفہان پہنچا، عیسائیوں نے خاموشی سے مجھے اطلاع کرا دی، میں نے کہلوا دیا کہ جب یہ لوگ فارغ ہو کر شام کو واپس جانے لگیں تو مجھے خبر کرا دی جائے۔

قافلہ جب اپنے کاموں سے فارغ ہوا اور اس کی واپسی کا دِن آیا تو عیسائیوں نے مجھے خبر کرائی۔ میں اپنی رہائی کے لیے پہلے ہی سے تدبیر سوچ

چکا تھا اور سفر کی تیاری مکمل کر لی تھی۔

مُلکِ شام کا سفر

مَیں نے اپنی بنائی اسکیم کے مطابق خاموشی سے اپنی بیڑیاں کٹوائیں اور چپکے سے گھر سے نکل کر چھپتا چھپاتا قافلہ والوں سے جا مِلا۔ اَب سارا قافلہ شام کی طرف جا رہا تھا۔ یہ حق کی خاطر میرا پہلا سفر تھا۔ مَیں اگرچہ اپنے محبوب گاؤں سے دور ہو رہا تھا۔ ماں باپ کی محبت سے محروم ہو رہا تھا اور گھر کی راحتوں کو چھوڑ رہا تھا، لیکن مجھے ذرا غم نہ تھا، ایک روحانی خوشی میرا دِل بڑھا رہی تھی اور مَیں انتہائی مسرور اور مطمئن تھا۔

منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہُوئے کچھ ہی دِنوں میں ہم لوگ شام کی سرزمین میں داخل ہُوئے۔ یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے مَیں نے لوگوں سے یہ معلوم کیا کہ یہاں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ فلاں گرجے میں جو بڑا اُسقف (پادری) رہتا ہے وہی یہاں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا ہے۔

پادری کی خدمت میں

مَیں ہر فکر سے بے نیاز تیز تیز چل رہا تھا کہ جلد سے جلد اس پادری کی

خدمت میں پہنچوں، آخر وہ گرجا نظر آیا اور میں انتہائی شوق کے ساتھ اندر گھستا ہی چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ فرش پر بیٹھے ہوئے ہیں اور کچھ لوگ ان کے آس پاس جمع ہیں۔ میں بھی سلام کر کے بیٹھ گیا اور میں نے بغیر کسی جھجک کے جذبے کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ حضرت میں دُور اصفہان کے علاقہ سے آیا ہوں، مجھے آپ کا مذہب بہت ہی پسند آیا ہے، اسی کی خاطر میں یہاں آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ہی کی خدمت میں رہوں، آپ سے دین سیکھوں اور ایک ہی خدا کی عبادت کر کے اپنی رُوح اور دِل کو سکون بخشوں۔

پادری بہت ہی خوش ہوا اور خوشی خوشی گرجا میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اب میں اطمینان کے ساتھ گرجا میں رہنے لگا۔ شب و روز اپنے خدا کی عبادت کرتا اور پادری کی خدمت کرتا رہتا۔ لیکن چند ہی دنوں میں اندازہ ہوا کہ یہ پادری تو بڑا ہی مکّار اور دنیا دار فریبی ہے، لوگوں کو صدقہ وخیرات پر اکساتا ہے اور خود انتہائی لالچی ہے، ان سے کہتا ہے غریبوں اور مسکینوں کا خیال رکھو، نادار اور محتاجوں پر خرچ کرو اور جب یہ لوگ مال و دولت لے کر آتے ہیں تو یہ فقیروں اور حاجت مندوں کو دینے کے بجائے اپنے پاس جمع کرتا جاتا ہے۔ اس طرح دولت جمع کرتے کرتے اس نے سات بڑے مٹکے سونے چاندی سے بھر لیے ہیں۔

اس مکار کی یہ حرکتیں دیکھ کر میں بہت کڑھتا۔ میرا دل اُس سے نفرت کرنے لگا۔ مگر میں نے اس کی وجہ سے خدا کی عبادت میں کوئی کمی نہیں کی ــ کیوں کرتا، میں نے تو اپنے پیارے خدا کی عبادت کے لیے عیسائی مذہب قبول کیا تھا پادری کی خاطر تو نہیں قبول کیا تھا۔ یہ اگر بدعمل ہے اور دین کے نام پر دنیا کما رہا ہے تو اپنے کیے کی سزا پائے گا۔ مجھے تو اپنے خدا کو خوش کرنا ہے اور اسی کی مرضی پر چلتے ہوئے اس کے پاس جانا ہے ـ

مکار پادری کا انجام

دن اسی طرح گزرتے رہے اور میرے دل میں اس مکار کی طرف سے نفرت بڑھتی رہی۔ آخر اس کی زندگی کے دن پورے ہوئے اور یہ مر گیا۔ شہر میں اس کی موت کی خبر پھیلتے ہی کہرام مچ گیا اور دور دور سے عیسائی اس کا سوگ منانے اور تجہیز و تکفین کرنے کے لیے گرجا گھر میں جمع ہونا شروع ہو گئے ـ

لوگوں کے چہرے آج غم سے مرجھائے ہوئے تھے اور ہر ایک اپنے دینی پیشوا کی موت پر افسوس کر رہا تھا۔ لیکن میرا حال بالکل ہی دوسرا تھا۔ کیسا غم اور کیسا افسوس، میں تو لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر غصہ سے بے قابو ہو رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کس طرح ان سادہ لوح عوام کو بتاؤں کہ تمہارا

یہ عظیم گناہ ہے، آخر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے لوگوں سے کہا یہ آپ لوگ کس کا جنازہ پڑھنے آئے ہیں؟ یہ شخص جنازہ پڑھنے کے قابل ہے! مکار، فریبی، دغاباز، یہ تو دین کے پردے میں شیطان تھا۔ دین کے نام پر دنیا سمیٹ رہا تھا۔ لوگوں کو صدقہ و خیرات پر اُبھارتا، محتاجوں اور فقیروں کا حق یاد دلاتا اور جب لوگ خیرات کا مال لے کر آتے تو غریبوں میں تقسیم کرنے کے بجائے اپنے مٹکوں میں بھر لیتا اور غصہ میں نہ جانے میں نے کیا کیا کہہ ڈالا۔

لوگ چپ چاپ میری باتیں سنتے رہے اور حیرت سے بُت بنے کھڑے رہے، چند لوگ جو اندھے معتقد تھے، میری ان باتوں پر غصّہ بھی ہوئے لیکن چونکہ میں بھی عرصہ سے گرجا گھر میں رہتا تھا اور لوگ مجھے بھی ایک مذہبی پیشوا ہی سمجھتے تھے، اس لیے کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ میری باتوں کو جھٹلائے۔ لوگ مجھ سے پوچھنے لگے۔ آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہوا اور آپ کے پاس ان باتوں کا کیا ثبوت ہے؟

میں نے کہا۔ آپ لوگ میرے ساتھ اندر آئیں میں آپ کو اس لالچی کا جمع کیا ہوا خزانہ دکھائے دیتا ہوں، دو چار نہیں پورے سات مٹکے سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے رکھے ہیں۔ لوگ میرے ساتھ ہو لیے، اندر جا کر دیکھا تو واقعی سات بڑے بڑے مٹکے سونے اور چاندی سے لبالب بھرے ہوئے ہیں۔

یہ دیکھ کر لوگ غصّے سے دانت پیسنے لگے اور کہنے لگے ہم تو ہرگز اس لالچی مکّار کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھیں گے، یہ تو مر چکا ہے، مگر اس کی لاش پر پتھّر برسائیں گے" تاکہ لوگوں کی آنکھیں کھُلیں اور وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کی اندھی عقیدت میں مبتلا رہنے کے بجائے ان پر نگاہ رکھیں۔ اگر ایسے لوگ گرجاؤں میں پلنے لگے تو قوم دین کو پیشہ سمجھ کر اس سے بیزار ہو جائے گی اور پھر ان لوگوں نے ایک پبلک مقام پر اس کی لاش لٹکا کر بُری طرح اُس پر پتھّر برسائے۔

نئے پیشوا کا تقرّر

اَب گرجا گھر میں ایک نئے پادری کا تقرر ہُوا اور بڑے عزّت و اکرام کے ساتھ یہ تقریب منائی گئی، یہ نئے اُسقف (پادری) بڑے ہی نیک اور خدا رسیدہ تھے۔ شب و روز خدائے واحد کی عبادت میں لگے رہتے اور ہر کام نہایت پابندی کے ساتھ کرتے۔ مَیں نے آج تک ایسا نیک سیرت انسان نہیں دیکھا تھا۔ مَیں ان کی زندگی سے بہت ہی متأثر ہُوا اور میرے دل میں ان کی محبّت بڑھتی ہی چلی گئی۔ اَب مَیں دِن رات ان کے ساتھ رہتا۔ دِل و جان سے ان کی خدمت کرتا اور ان سے دین سیکھتا۔ افسوس کہ ان کی رفاقت مجھے تھوڑے ہی دِن میسّر رہی اور اُن کا

وقت بھی پورا ہوگیا۔ جب مجھے احساس ہُوا کہ یہ چند گھنٹوں کے مہمان ہیں تو مَیں انتہائی عاجزی کے ساتھ اُن کے پاس بیٹھا اور کہا حضرت آپ کی صحبت میں یہ دِن بڑے ہی اچھے گزر رہے تھے۔ مگر بہر حال زندگی فانی ہے، باری باری سب کو جانا ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ مجھے آپ سے کتنی محبت ہے اور صرف اسی لیے کہ آپ نے مجھے دین سکھایا، اَب یہ فرمائیے کہ آپ کے بعد مَیں کس کے پاس جاؤں اور کہاں رہ کر خدا کے دین کا علم حاصل کروں؟

بوڑھے پادری کی وصیّت

بوڑھے پادری نے آہ بھری اور درد بھرے لہجے میں بولے۔

بیٹے مَیں حیران ہُوں کہ تمھیں کیا وصیّت کروں اور کس کی خدمت میں حاضری کا مشورہ دوں۔

جب مَیں لوگوں کے حالات دیکھتا ہُوں تو کوئی ایک آدمی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو ٹھیک ٹھیک اس دین کا پیرو ہو جس کو ہم مانتے ہیں نیک لوگ تو دُنیا سے اُٹھ چکے اور لوگوں نے دین کو اپنی خواہشات کے مطابق بدل ڈالا اور اُس سچے دین سے بہت دور جا پڑے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ ہاں شہر "موصل" میں ضرور خدا کا ایک بندہ ہے جو ٹھیک

ٹھیک اس دین پر قائم ہے جس پر ہم تم ہیں، میرا خیال ہے تم میرے بعد انھیں بزرگ کی خدمت میں جانا اور انھیں کے پاس رہ کر خدا کی عبادت میں لگے رہنا۔

موصل کا سفر

پھر جب میرے یہ محسن انتقال فرما گئے اور میں ان کے کفن دفن اور ضروری رسوم سے فارغ ہُوا، تو میں ان کی ہدایت کے مطابق موصل جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اور چند ہی دنوں میں موصل کی سرزمین میں داخل ہُوا، یہاں پہنچ کر میں نے ان بزرگ کا پتہ معلوم کیا جن کے پاس جانے کی ہدایت مجھے شام کے پادری نے کی تھی، تھوڑی دیر کی تلاش و جستجو کے بعد میں ان کی خدمت میں پہنچ گیا اور میں نے ان کو نہایت ادب کے ساتھ اپنی پوری کہانی سنائی اور جب میں نے ان سے کہا کہ شام کے فلاں پادری نے مجھے وصیت کی تھی کہ ان کے بعد میں آپ کی خدمت میں پہنچوں تو میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

موصل کے یہ بزرگ بڑی ہی شفقت سے میری پرورش فرمانے لگے۔ میں اطمینان کے ساتھ ان کی صحبت سے پورا پورا فائدہ اٹھانے لگا۔ اور یکسوئی کے ساتھ خدا کی عبادت کرنے لگا۔ یہ بھی شام کے پادری کی

طرح نیک، خدا رسیدہ اور بے لوث آدمی تھے۔ مجھے ان کی خدمت میں رہ کر بڑا ہی سکون تھا۔ مگر خدا کا کرنا کہ جلد ہی ان کی مہلتِ عمل بھی ختم ہو گئی جب اُن کی حالت زیادہ خراب ہوئی اور محسوس ہوا کہ اب یہ ان کا آخری وقت ہے تو میں بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ان کے پاس جا بیٹھا اور کہا حضرت آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں نے اپنے ماں باپ صرف اسی لیے چھوڑے ہیں کہ آپ جیسے بزرگوں سے فیض اٹھاؤں اور بزرگوں کی خدمت میں رہ کر اپنے خدا کی عبادت کروں شام کے پادری نے تو مجھے آپ کی خدمت میں بھیج دیا تھا اب آپ وصیت فرمائیں کہ میں اب کس کے پاس جاؤں۔

موصل کے پادری نے ایک آہ بھری اور خاموش ہو گئے۔ پھر سر اٹھایا اور بولے صاحبزادے! میں حیران ہوں کہ تم کو کہاں جانے کا مشورہ دوں دنیا میں ہر طرف مکر و فریب پھیل گیا ہے۔ میں دنیا والوں پر نظر ڈالتا ہوں تو کوئی ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جو ٹھیک ٹھیک خلوص کے ساتھ اس دین کی پیروی کر رہا ہو، جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کا دین تھا۔

البتہ "نصیبین" کا نام تم نے سنا ہو گا۔ "نصیبین" میں ایک بزرگ ضرور ہیں جو واقعی خدا کے برگزیدہ بندے اور دین دار آدمی ہیں۔ تم اگر بخیر رہو تو میرے بعد ان کی خدمت میں پہنچنا اور وہیں رہ کر خدا کی عبادت کرتے

رہنا۔

نصیبین کا سفر

آخر ان کا بھی انتقال ہو گیا اور میں نے ان کی تجہیز و تکفین کے انتظامات کیے۔ ان مراسم سے فارغ ہونے کے بعد میں نے نصیبین کی راہ لی اور چند ہی دن بعد میں نصیبین کی سرزمین میں داخل ہو گیا۔ نصیبین پہنچ کر میں نے اس برگزیدہ شخص کی تلاش شروع کی جن کی خدمت میں رہنے کے لیے موصل کے محسن نے مجھے وصیت کی تھی۔

تھوڑی سی دوڑ دھوپ کے بعد ہی میں ان کی خدمت میں پہنچ گیا اور انھیں اپنے سفر کی روداد سنائی۔ یہ صاحب بھی بڑے ہی نیک اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ میں ان کی خدمت میں رہنے لگا اور انتہائی سکون اور اطمینان کے ساتھ دِن گزرنے لگے۔

کچھ ہی دِن گزرے تھے، کہ ان کی موت کا پیغام بھی آ پہنچا۔ جب حالت زیادہ خراب ہوئی اور مایوسی سی ہونے لگی تو میں ان کی خدمت میں بیٹھ گیا اور میں نے کہا حضرت میں بہت دور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور بڑے ہی اطمینان کے ساتھ میں آپ کے فیضِ تربیت سے فائدہ اٹھا رہا تھا، مگر خدا کی مرضی میں کس کو دخل! قدرت کا مرے ساتھ عجیب

معاملہ ہے۔ شام میں کچھ ہی دن رہا تھا کہ شام کے بزرگ خدا کو پیارے ہو گئے۔ انھوں نے وصیت کی کہ تم میرے بعد موصل چلے جانا، موصل میں کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ میرے اس محسن کا بھی انتقال ہو گیا۔ انھوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی وصیت کی۔ اب آپ بھی اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ حضرت! فرمائیے اب میں کہاں جاؤں اور کس کی خدمت میں رہ کر دین سیکھوں؟ میری آواز گھٹنے لگی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو گرنے لگے۔

میری یہ باتیں سنتے ہی میرے اس محسن پر رقت طاری ہو گئی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ بیٹا اب دنیا میں دین کہاں رہ گیا ہے! کوئی ایک آدمی بھی تو ایسا نظر نہیں آتا جو ٹھیک عیسائی دین پر جما ہوا ہو! مگر ہاں یہاں سے کچھ دور شہر "عموریہ" ہے۔ عموریہ کا نام تم نے سنا ہو گا۔ یہاں خدا کے ایک پیارے بندے ہیں۔ جو واقعی اپنے دین پر ٹھیک ٹھیک قائم ہیں۔ یہ نہایت دین دار اور پابند شرع ہیں اور ان کی زندگی انتہائی پاکیزہ ہے۔

تم میرے بعد ان کی خدمت میں چلے جانا اور سکون کے ساتھ خدا کی یاد میں لگ جانا۔

عموریہ کا سفر

آخر کار موت نے ان کو بھی اپنی آغوش میں لے لیا اور میں ایک اچھے سرپرست سے محروم ہو گیا۔ چند دن میں ان کے کفن دفن کے تمام رسوم سے بھی فراغت ہوئی اور اب میں اس دھن میں تھا کہ جلد از جلد عموریہ پہنچ جاؤں۔ عموریہ کا راستہ معلوم کیا اور سفر کا سامان باندھ کر روانہ ہو گیا۔ چند دن کے سفر کے بعد عموریہ کی سرزمین میں داخل ہوا اور یہ کوشش کی کہ جتنی جلد ممکن ہو عموریہ کے ان اللہ والے بزرگ کی خدمت میں پہنچ جاؤں۔ معلوم کرتے کراتے آخر کار میں عموریہ کے بڑے گرجے میں پہنچا۔ میں نے سلام کیا اور ادب کے ساتھ بیٹھ گیا۔

ان بزرگوں نے بڑی ہی شفقت کے ساتھ پوچھا۔ بیٹا کہاں سے آئے ہو؟ اور میں نے اپنے سفر کی پوری کہانی سنائی۔

یہ بڑے ہی اللہ والے انسان تھے، بڑی ہی محبت اور شفقت سے پیش آئے۔ ان کی عبادت اور دعاؤں میں ایسا سوز تھا کہ بے اختیار دل کھنچتا تھا۔ میں شب میں بھی ان کے ساتھ عبادت اور دعاؤں میں شامل رہتا اور دن میں بھی ذکر الٰہی کی مجلسوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا۔ ساتھ ہی دن میں کچھ محنت مزدوری بھی کر لیتا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کی محنت میں

میرے پاس کافی مال جمع ہو گیا۔ اب میرے پاس بہت سی گائیں اور بکریاں تھیں اور زندگی کے شب و روز بڑے سکون اور عیش کے ساتھ گزر رہے تھے کہ اس بوڑھے پادری کے لیے بھی خدا کا فیصلہ آ گیا۔

اَب مجھے پھر فکر ہوئی اور میں نے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ حضرت! آپ کو تو سب معلوم ہی ہے، میں نے کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھائی ہیں اور کیا کیا پریشانیاں اٹھاتے ہوئے آپ کی خدمت میں پہنچا ہوں۔ اَب آپ بھی مجھے چھوڑ کر رخصت ہو رہے ہیں۔ فرمایئے اب میں کہاں جاؤں؟

میری آواز میں بڑی حسرت اور مایوسی تھی۔

بوڑھے پادری بڑے غور سے میری باتیں سنتے رہے، پھر نہایت محبت اور درد کے ساتھ اونچی آواز میں بولے۔

میرے عزیز! خدا کی قسم اب دنیا میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو عیسٰی علیہ السلام کے دین کا سچا پیرو ہو، تم ہی بتاؤ میں تمھیں کس کے پاس جانے کا مشورہ دوں؟ ہر چار طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے لوگ سچے دین کو چھوڑ چکے ہیں اور اپنی خواہشات کی پوجا میں لگ چکے ہیں۔

نبیِ عربیؐ کی آمد کی بشارت

ہاں تمھیں ایک خوش خبری سنائے دیتا ہوں، ہم تو ہوں گے نہیں اگر

اللہ نے چاہا تو تم یہ سعادت کا دور پاؤ گے۔ خدا کے آخری رسول کی بعثت کا زمانہ بالکل قریب آگیا ہے، آپ عرب کی سرزمین میں پیدا ہوں گے اور حضرت ابراہیمؑ کے دین کی پیروی کریں گے۔ کچھ دنوں اپنے شہر میں قیام کر کے لوگوں کو خدا کے دین کی تعلیم دیں گے اور خدا کے بندوں کو کفر و شرک کی ناپاکیوں سے نکالنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن شہر کے بدنصیب ان کو طرح طرح سے ستائیں گے اور آخرکار وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیں گے۔

پھر آپ ایک ایسے شہر کی طرف ہجرت فرمائیں گے جو دو سیاہ پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے اور ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان کھجور کے باغات ہیں۔ ان کی کچھ کھلی کھلی نشانیاں ہیں تمھیں بتائے دیتا ہوں، خدا تمھیں ان کے دیدار سے مشرف کرے اور بڑے میاں لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گئے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے، پھر ذرا جوش کے ساتھ فرمایا۔

مرے عزیز! نبی عربیؐ کی تین نشانیاں ضرور یاد رکھنا۔

۱۔ یہ صدقہ کا مال نہیں کھائیں گے۔

۲۔ ہدیہ کا مال خوشی خوشی قبول کر لیں گے۔

۳۔ ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان نبوت کی مہر ہوگی۔

عزیزمن! اگر تمہاری قسمت ساتھ دے تو تم ضرور ان کی خدمت میں پہنچنا۔ بوڑھے محسن کی آنکھوں میں شوق کی ایک دلکش چمک تھی، میں محبت اور عقیدت سے ان کے چہرہ پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا کہ ان کی روح پرواز کر گئی۔ میری آنکھوں سے گرم گرم آنسو ٹپاٹپ گرنے لگے۔ اور ان کے آخری الفاظ برابر میرے کانوں میں گونجتے رہے، "عزیزمن! اگر تمہاری قسمت ساتھ دے تو تم ضرور ان کی خدمت میں پہنچنا۔" یہ بشارت پاکر نہ پوچھو میری خوشی کا کیا حال تھا۔ میں نے نبی عربیؐ کی یہ نشانیاں خوب ہی دل میں بٹھا لیں اور یہ انتظار کرنے لگا کہ عرب کی طرف جانے والا کوئی قافلہ ملے تو عرب کا رُخ کروں۔

عرب کا پرشوق سفر

کچھ ہی دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ ایک قافلہ عرب جا رہا ہے، میں بھی قافلہ والوں کے پاس پہنچا اور ساتھ چلنے کا ارادہ ظاہر کیا اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ لوگ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے تیار ہو جائیں تو میں اپنی ساری گائیں اور بکریاں آپ لوگوں کے حوالے کر دوں گا۔ قافلہ والے راضی ہو گئے اور میں نے اپنی ساری گائیں اور بکریاں ان کے حوالے کر دیں۔ قافلہ روانہ ہوا۔ منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے ہم لوگ چلے

جارہے تھے۔ مَیں خوش تھا اور اپنی ساری پونجی ان کے حوالے کرنے کے بعد بھی میں عرب کے تصور میں ایسا مگن تھا جیسے کہ سارے جہاں کی حکومت مل گئی ہو۔

مگر جب ہم لوگ "وادئ قریٰ" میں پہنچے تو ان لوگوں نے میرے ساتھ دھوکا کیا اور مجھے غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

اب مَیں انتہائی بے کسی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس یہودی کے کچھ باغات تھے مَیں دن بھر ان کی دیکھ بھال کرتا اور رات کو اپنے خدا کے حضور کھڑے ہو کر دعائیں کرتا، کہ پروردگار مجھے اپنے آخری نبی کی خدمت میں پہنچا دے۔ پرورگار مجھے اس مصیبت سے نجات دے دے۔

زندگی کے دِن بھلے بُرے بیت رہے تھے، مگر جب کبھی مَیں یہ سوچتا کہ اس ملک میں انسانیت کے آخری ہادی پیدا ہونے والے ہیں جو سارے انسانوں کو ایک خدا کی بندگی کی طرف بلائیں گے اور اِنسان کو اِنسان کی غلامی سے نجات دلائیں گے تو خوشی کی ایک لہر میرے بدن میں دوڑ جاتی اور مَیں ساری مصیبتیں بھول جاتا۔ اسی طرح دِن کٹتے رہے، ایک دن کیا ہُوا کہ اس یہودی کا چچازاد بھائی مدینہ سے آیا اور میرے بارے میں اس سے گفتگو کرنے لگا۔ پھر مجھے معلوم ہُوا کہ اس نے مجھے خرید لیا ہے اور اب مجھے مدینے جانا ہے۔

مدینہ کو روانگی

اور میں اس نئے آقا کے ساتھ مدینہ روانہ ہوا۔ جلد ہی ہم لوگ مدینہ پہنچ گئے۔ یہ شہر مجھے بہت ہی پسند آیا اور یہاں کی ایک ایک چیز سے پیار ہونے لگا۔ میرے ذہن میں ایک ایک کر کے وہ ساری علامتیں تازہ ہو گئیں جو عموریہ کے خدا رسیدہ پادری نے بتائی تھیں۔ "دو سیاہ پہاڑیاں، کھجور کے باغات اور میں یہ سب سوچ کر خوشی سے جھوم اٹھتا۔ اگرچہ مجھے ابھی یہ یقین تو نہیں تھا کہ یہ وہی شہر ہے جہاں خدا کے آخری رسول ہجرت کر کے آئیں گے لیکن میرا دل کہہ رہا تھا کہ ہو نہ ہو یہی وہ شہر ہے جہاں عرب کے نبی ہجرت کر کے آئیں گے اور میں اسی امید میں خوشی کے دن گزار رہا تھا۔

یہ وہ دن تھے کہ عرب کے نبی مکے میں اپنی نبوت کا اعلان کر چکے تھے اور خدا کے بندے ایمان کی دولت اور آپ کے دیدار سے مشرف ہو رہے تھے۔ مگر مجھے کیسے معلوم ہوتا۔ مجھے تو دن رات غلامی کے دھندوں ہی سے فرصت نہ تھی۔

نبی عربیؐ کی مدینے میں آمد

ایک دن ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ میں باغ میں کھجور کے

اوپر چڑھا ہُوا کچھ کام کر رہا تھا اور میرا یہودی آقا اسی پیڑ کے نیچے بیٹھا تھا۔ کیا دیکھتا ہُوں کہ اس کے چچا زاد بھائی بہت تیز آ رہے ہیں۔ آتے ہی انھوں نے کہنا شروع کیا۔

بھائی! آپ نے کچھ سنا؟

کیا بھئی، مَیں نے تو کچھ بھی نہیں سنا!

ارے آپ نے ان بنی قیلہ والوں کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔ خدا ان کو سمجھے! قبا میں مکہ کا ایک مسافر آ کر ٹھیرا ہے، کچھ آدمی بھی اِس کے ساتھ ہیں۔ کیا خبر کون ہے! کہتا یہ ہے کہ مَیں خدا کا رسول ہُوں، میرے پاس آسمان سے وحی آتی ہے اور نہ جانے کیا کیا کہتا ہے اور یہ بنی قیلہ والے نادان، بڑی ہی عقیدت سے اُسے گھیرے ہُوئے ہیں۔

یہ سنتے ہی میرے بدن میں سنسنی پھیل گئی اور میرا پورا بدن کانپنے لگا، اور ایسا محسوس ہُوا کہ گویا مجھے لرزہ آ گیا ہے۔ اپنی حالت دیکھ کر مَیں تو یہ سمجھا کہ بس اب مَیں اپنے یہودی آقا کے سر پر ہی دھڑام سے جا گروں گا۔ اسی گھبراہٹ میں جلدی جلدی کھجور سے اترنے لگا میرا سانس پھول گیا تھا۔ ہاتھ پیر کانپ رہے تھے، مَیں اس آدمی کے قریب آیا اور پوچھا، حضور آپ کیا خوش خبری سنا رہے تھے؟ بتائیے۔

میری یہ جرأت دیکھ کر میرے یہودی آقا کو بہت ناگوار گزرا اور غصّہ

میں پوری قوت کے ساتھ ایک گھونسہ مارا اور ڈانٹتے ہوئے بولا چل اپنا کام کر تجھے ان باتوں سے کیا مطلب،

مگر مجھے آج یہ کہاں یاد رہا تھا کہ میں غلام ہوں، میں آقا کے قریب ہوا اور نہایت سنجیدگی اور سادگی سے کہا۔ میں نے سوچا ذرا میں بھی اچھی طرح سمجھ لوں کہ یہ صاحب کس کی آمد کی بشارت لائے ہیں۔

بات ختم ہوگئی اور میں اپنے کام میں لگ گیا۔ اب گھڑیاں گن رہا تھا کہ کب شام ہوتی ہے اور باغ کے کام سے فرصت ملتی ہے۔

نبی عربیؐ کی خدمت میں حاضری

شام ہوتے ہی میں نے اپنا کام چھوڑا اور کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا قبا کی طرف چلا، آپ قبا میں تشریف رکھتے تھے، میں بھی جا کر بیٹھا اور وہ چیزیں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے میں نے عرض کیا، حضرت مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ مکے سے تشریف لائے ہیں اور آپ کے ساتھ اور بہت سے مسافر ہیں۔ میرے پاس یہ کچھ صدقے کی چیزیں تھیں میں نے سوچا۔ آپ لوگوں سے زیادہ کون ان کا مستحق ہو سکتا ہے، لیجئے قبول فرمائیے۔

نبوّت کی پہلی نشانی

آپ نے میرے ہاتھ سے وہ تمام چیزیں لے کر اپنے ساتھیوں کی طرف بڑھا دیں اور ان سے فرمایا کھاؤ۔ لیکن خود آپ نے کچھ نہ چکھا۔ میں دل ہی دل میں بہت خوش ہُوا، کہ خدا کا شکر ہے، پہلی نشانی تو مل گئی۔

کچھ دیر میں بیٹھا رہا، کبھی آپ کے چہرے کو دیکھتا، کبھی آپ کی باتیں سنتا اور دل کی عجیب و غریب کیفیت تھی۔

بہر حال کچھ دیر بیٹھ کر چلا آیا اور یہاں آ کر پھر اپنے کاموں میں لگ گیا۔

نبوّت کی دُوسری نشانی

اب مجھے ایک ہی دھن تھی کہ کسی طرح جلد سے جلد پھر آپ کی خدمت میں پہنچوں اور اسی شوق میں کھانے پینے کی کچھ چیزیں جمع کرنے لگا۔ جب کچھ چیزیں جمع ہو گئیں۔ تو وہ لے کر روانہ ہُوا۔ اب آپ قبا سے مدینہ منتقل ہو چکے تھے۔ میں خدمت میں حاضر ہُوا اور وہ کھانے کی چیزیں آپ کی طرف بڑھاتے ہوئے میں نے عرض کیا۔ حضور میں نے دیکھا کہ آپ صدقہ کا مال نہیں کھاتے تو یہ تھوڑی سی چیزیں ہدیہ کے طور پر لایا تھا کہ آپ قبول فرمالیں۔ آپ نے بڑی خوشی سے سب چیزیں قبول فرمالیں۔ خود

بھی کھائیں اور ساتھیوں کو بھی کھلائیں۔ یہ دیکھ کر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی۔ کہ خدا کا شکر ہے، دوسری نشانی بھی مل گئی۔

تیسری بار میں آپ کی خدمت میں اس وقت پہنچا جب آپ بقیع الغرقد میں کسی ساتھی کے جنازے میں شریک تھے۔ آپ عمامہ باندھے ہوئے اپنے ساتھیوں کے درمیان بیٹھے تھے میں نے آگے بڑھ سلام کیا اور بیٹھنے کے بجائے آپ کے اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ کہ کسی طرح آپ کی پیٹھ پر نظر پڑ جائے اور مہر نبوّت دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کروں اور دل کی مراد پاؤں۔

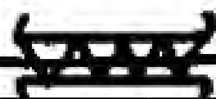
نبوّت کی تیسری نشانی

نبیٔ عربیؐ سمجھ گئے کہ میں کس غرض سے یہ چکّر لگا رہا ہوں، آپ نے دھیرے سے اپنی چادر شانوں سے نیچے سرکا دی، میں تو منتظر تھا ہی مہر نبوّت پر میری نظر پڑی، اور میں بے اختیار اُس پر جُھک گیا۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، میں شوق میں مہرِ نبوّت کو چومتا رہا اور آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔ حضورؐ اس منظر کو کچھ دیر دیکھتے رہے، پھر بڑی محبّت سے فرمایا آؤ ادھر آؤ۔ اور میں سامنے آکر دو زانو بیٹھ گیا۔ اور میں نے حضورؐ کو اپنے دلچسپ سفر کی یہ پوری داستان سنائی۔ اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایمان و اسلام کی دولت سے مجھے مالا مال کیا۔

اب مجھے ایک ہی فکر تھی کہ کسی طرح اس یہودی کی غلامی سے آزاد ہو جاؤں اور آزادی کے ساتھ اپنے پروردگار کی غلامی کروں۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مشورہ دیا کہ تم اس یہودی سے معاملہ طے کرلو، مَیں نے یہودی سے کہا اور وہ تیار ہوگیا۔ طے ہُوا کہ مَیں اس یہودی کو ۴۰ اوقیہ سونا دوں اور تین سو پودے کھجور کے لگا دوں اور جب ان کھجوروں میں پھل آجائیں تو مَیں آزاد ہو جاؤں گا۔

میرے اسلامی بھائیوں نے جب سُنا تو رقم کا بھی انتظام کردیا اور پودوں کا بھی اور عربی رسولؐ نے اپنے مُبارک ہاتھوں سے یہ پودے لگا دیے، خدا کا کرنا کہ اسی سال ان میں پھل آگئے اور پیارے رسولؐ نے اس یہودی کو وہ رقم دے کر مجھے آزاد کرا دیا۔

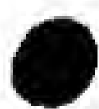
اب میں ہر وقت نبی عربیؐ کی صحبت میں رہتا اور آپؐ کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن رکھتا، ایک مرتبہ انصار اور مہاجرین میں بڑی پیاری جنگ ہوئی۔ مہاجرین کہنے لگے کہ سلمان مہاجر ہیں اور ہمارے آدمی ہیں، انصار کہتے کہ یہ پہلے سے مدینے میں رہتے تھے اور ہمارے آدمی ہیں۔ پیارے رسولؐ نے فرمایا، سلمان تو ہمارے گھرانے کے آدمی ہیں اور مَیں تو سمجھتا ہوں کہ مَیں دینِ اسلام کا بیٹا سلمان ابن اسلام ہوں۔



حضرت امام شافعیؒ

عِلم کی راہ میں

- مکۂ مکرّمہ سے چلے
- ذی طویٰ پہنچے
- مدینہ منوّرہ پہنچے
- امام مالکؒ کی خدمت میں رہے
- کوفے پہنچے
- امام محمدؒ کی صحبت میں رہے
- بغداد پہنچے
- پھر دوبارہ مدینے پہنچے
- اور آخر کار دین و دنیا کی دولت سے مالامال
- اپنی بوڑھی ماں کی خدمت میں
- مکۂ مکرّمہ واپس ہوئے۔



علم دین کا شوق تو مجھے شروع ہی سے تھا۔ تھوڑی ہی سی عمر میں میں نے بہت کچھ سیکھ لیا۔ قرآن پاک بھی حفظ کر لیا اور رسولِ پاک کی بہت سی حدیثیں بھی یاد کر لیں، علم کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ جب کسی عالم دین کا ذکر سنتا، بے چین ہو جاتا کہ کسی طرح میں بھی ان کی خدمت میں پہنچتا اور ان سے دین کا علم حاصل کرتا۔ مشکل سے میری عمر چودہ سال کی ہو گی ابھی منہ پر داڑھی بھی نہیں چمکی تھی کہ میں نے اپنی بوڑھی ماں سے سفر پر جانے کے لیے اصرار کیا۔ گھر پر میرے سوا اور کوئی نہ تھا۔ بوڑھی ماں کے لیے میں ہی تنہا بڑھاپے کا سہارا تھا۔ وہ میری درخواست سن کر خاموش رہیں۔

سفر پر روانگی اور ماں کی دعائیں

میرا اصرار برابر بڑھتا رہا۔ میرا بڑھتا ہوا شوق دیکھ کر اماں بھی تیار ہو گئیں لیکن میں نے دیکھا کہ ان کا چہرہ مرجھایا ہوا ہے اور بہت فکر مند ہیں۔ میں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور کندھے پر سر رکھ کر کہا اماں اگر آپ میرے جانے سے اتنا پریشان ہو رہی ہیں تو میں نہیں جاتا۔ آپ کی خدمت میں رہ کر ہی جو کچھ

خدا کو منظور ہو گا سیکھ لوں گا۔

ان کا دِل بھر آیا۔ آنسو رواں ہو گئے اور بڑے جذبے کے ساتھ بولیں۔ نہیں بیٹا تیرا یہ شوق تو میرے خوابوں کی تعبیر ہے، تجھے کیا خبر کتنی راتوں کو جاگ جاگ کر اور خدا کے حضور اپنا پھٹا ہوا دامن پھیلا کر میں نے دعائیں کی ہیں کہ پروردگار میرے لال کو اپنے پیارے نبی کے علم سے مالا مال کر دے پروردگار اس کو ایسا علم دے جس کی روشنی میں رہتی زندگی تک تیرے بندے تیری راہ پر چلیں۔ بیٹے اس لیے فکر مند ہوں کہ تجھے سفر پر بھیجوں تو کیا دے کر بھیجوں، نہ گھر میں غلہ ہے کہ کچھ پکا کر تیرے ساتھ کر دوں اور نہ روپیہ پیسہ ہے کہ تیرے حوالے کر دوں، یہ کہتے ہوئے ان کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہ پڑا۔

مگر بوڑھی اماں بڑی ہی عجیب و غریب خاتون تھیں عزم کی بہت پختہ اور دین پر قربان ہونے والی۔ فوراً ہی اپنے کو سنبھالا اور بولیں بیٹے فکر نہ کر جس کی راہ میں تو نکل رہا ہے، وہ خود ہی انتظام فرمائے گا وہ کارساز ہے وہ ایسے ایسے طریقوں سے اپنے صالح بندوں کی ضرورتیں پوری کرتا ہے، جہاں انسان کی کوتاہ نگاہیں نہیں پہنچ پاتیں۔

اور دو پرانی یمنی چادریں میرے حوالے کرتے ہوئے بولیں جا بیٹے میں نے تجھے اس خدا کے سپرد کیا جس کی تو امانت ہے۔ مجھے یقین ہے خدا

تجھے کبھی ضائع نہ ہونے دے گا۔ پھر میرے سر پر ہاتھ پھیرا گلے لگایا، اور آنسو پونچھتے ہوئے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا دیئے۔

خدایا! مَیں اپنے جگر کے ٹکڑے کو تیری راہ میں بھیج رہی ہوں، تیرے پیارے رسولؐ کا علم حاصل کرنے کے لیے بھیج رہی ہوں، خدایا! جس طرح تُو نے مجھ بے کس کی دُعائیں قبول فرما کر اس کو علم کا شوق دیا۔ خدایا اسی طرح سفر کی بے کسی میں تو اس کا ہاتھ پکڑ اور غیب سے اس کی مدد فرما اور خدایا وہ دن جلد لا کر مَیں اپنی آرزوؤں کے اس پودے کو دین کے پھلوں سے لدا ہوا دیکھ کر باغ باغ ہو جاؤں۔ اور پھر میری پیٹھ ٹھوکتے ہوئے کہا جا بیٹے! خدا تجھے علم کے آسمان پر سورج بنا کر چمکائے۔ جا بیٹے خدا تیرا حافظ و نگہبان ہے۔

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا ۖ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔

اللہ ہی بہترین حفاظت کرنے والا اور وہی سب سے زیادہ رحم فرمانیوالا ہے

یہ کہتے ہوئے مجھے رخصت کیا اور مَیں ماں کی دُعاؤں سے مالا مال خالی ہاتھ خدا کے بھروسے پر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

پہلا شریف میزبان

مکہ سے نکل کر جب مَیں "ذی طویٰ" کے مقام پر پہنچا تو ایک پڑاؤ

دکھائی دیا، میں قریب پہنچا اور سلام دعا کر کے وہیں ٹھہر گیا۔ پڑاؤ میں ایک شریف صورت بزرگ مجھ پر بہت ہی مہربان ہو گئے اور بڑی ہی شفقت سے اصرار کرنے لگے کہ صاحبزادے ہمارے ساتھ کھانا کھالو۔

ان کا اصرار دیکھ کر میں دستر خوان پر بیٹھ گیا اور بے تکلف کھانے میں شریک ہو گیا۔ یہ لوگ پانچوں انگلیوں سے کھا رہے تھے، میں تو تین انگلیوں سے کھانے کا عادی تھا۔ مگر ان کی دیکھا دیکھی میں بھی پانچ انگلیوں سے کھانے لگا۔ کہ یہ لوگ کوئی اجنبیت محسوس نہ کریں۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں نے پانی پیا اور دعا پڑھی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

"شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا"

اور پھر اپنے شریف میزبان کی طرف متوجہ ہو کر ان سے بھی دو چار شکریے کے جملے کہے۔

کھانے کے بعد جب بات چلی تو بڑے میاں نے مجھ سے پوچھا۔

صاحبزادے! تم مکّے کے رہنے والے ہو؟

میں: جی ہاں مکّہ ہی میرا وطن ہے۔

بڑے میاں: کیا تم خاندانِ قریش سے ہو؟

میں: جی ہاں میں قریشی ہوں۔ مگر یہ تو فرمایئے۔ آپ نے یہ کیسے

معلوم کیا کہ مَیں مکّے کا رہنے والا ہوں اور قریش خاندان سے میرا تعلق ہے۔

بڑے میاں: صاحبزادے یہ کوئی بڑی بات نہیں عمر گزر گئی ہے، لوگوں میں اُٹھتے بیٹھتے۔ تمھارا لباس دیکھ کر تو مَیں نے یہ سمجھ لیا کہ تم شہر کے رہنے والے ہو اور دسترخوان پر بے تکلّف بیٹھ جانے سے یہ جان لیا کہ تم قریش خاندان کے ہو۔ جو لوگ دوسروں کے دسترخوان پر بے تکلّف کھاتے ہیں وہ دوسروں کو بھی خوب دِل کھول کر کھلاتے ہیں اور کھلا کر خوش ہوتے ہیں اور یہ خوبی خدا نے قریش ہی کو دی ہے۔

مَیں: چچا میاں یہ تو بتایئے کہ آپ کا مکان کہاں ہے؟

بڑے میاں: صاحبزادے! خدا کے رسولؐ کا شہر "مدینہ منوّرہ" میرا وطن ہے۔

مَیں: چچا میاں کیا آپ یہ بتا سکیں گے کہ اس وقت مدینے میں دین کے سب سے بڑے عالم کون ہیں؟

بڑے میاں: دین کے سب سے بڑے عالم بنی اصبح کے سردار حضرت مالکؒ ابنِ انس ہیں۔ خدا ان کی عزّت اور بڑھائے۔

مَیں: آمین اور ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے چچا میاں کیا بتاؤں امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچنے کے لیے میرا دِل کس قدر بے قرار ہے۔ خدا ہی میری آرزو پوری کرنے والا ہے۔

بڑے میاں : وہ تو مَیں نے تمہارے اندازِ گفتگو اور تمہاری سعادت ہی سے تاڑ لیا تھا کہ تم علمِ دین کی خاطر ہی گھر سے نکلے ہو۔

بڑے میاں کے لہجے میں بڑی نرمی اور گفتگو میں بڑا پیار تھا، پیار بھرے لہجے میں مجھ سے بولے، صاحبزادے تم نیک مقصد کے لیے گھر سے نکلے ہو خدا تمھیں بے سہارا نہ چھوڑے گا۔ اور مَیں نے محسوس کیا کہ انھیں اس بات سے ایک روحانی خوشی حاصل ہو رہی ہے کہ خدا نے ان کو ایک طالبِ حدیث کی میزبانی اور مدد کا موقع بخشا۔

خدا کی خاص مدد

کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر بڑے میاں بڑے ہی جذبے کے ساتھ بولے، صاحبزادے خدا نے تمھاری سُن لی، تمھارا شوق رنگ لایا یہ دیکھو یہ بھورا سجیلا اونٹ، اسی کی پیٹھ پر بیٹھ کر ابھی تم مدینۃ الرسول کو روانہ ہو گے۔ تم حدیث رسول کے شوق میں گھر سے نکلے ہو، تم رسولِ خدا کے مہمان ہو، ہم راستہ بھر تمھاری خاطر کریں گے اور ہر طرح تمھیں آرام پہنچا کر خوشی محسوس کریں گے اور ہم خود تمھیں امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچائیں گے اور مَیں نے دیکھا کہ بڑے میاں کا چہرہ روحانی خوشی سے چمک رہا ہے۔

اور پھر قافلے کے اونٹ ایک قطار میں کھڑے کر دیے گئے۔ بڑے میاں نے بڑے ہی عزت و اکرام کے ساتھ اس بھورے سجیلے اونٹ پر مجھے بٹھایا اور قافلہ خدا کا نام لے کر روانہ ہو گیا۔

ذی طویٰ سے مدینے تک شب و روز تلاوت

اِدھر قافلہ روانہ ہوا اور اُدھر مَیں نے قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی۔ قافلہ برابر چلتا رہا اور منزل بہ منزل بڑھتا رہا اور مَیں بھی برابر تلاوت میں مشغول رہا۔ کیسا مبارک تھا یہ سفر اور کتنا مبارک تھا مدینے کا یہ راستہ۔ ایک قرآن میں رات کو ختم کرتا اور ایک قرآن دِن میں۔ مدینے پہنچتے پہنچتے مَیں نے سولہ قرآن ختم کیے اور ساری تعریفیں خدا ہی کے لیے ہیں۔

مدینے کے در و دیوار مسجد نبوی دیکھ کر

ہمیں چلتے ہوئے اب آٹھواں دِن تھا۔ مدینہ اب قریب تھا۔ عصر کی نمازیں ہو چکی تھیں۔ اُونٹ جُوں جُوں آگے بڑھ رہا تھا میرا شوقِ نظارہ بھی برابر بڑھ رہا تھا۔ قرآن کی آخری سورتوں کی تلاوت کر رہا تھا کہ مدینے کے در و دیوار پر نظر پڑی اور میری زبان پر تھا "لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَ اَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ" مَیں خوشی میں اُونٹ پر جھومنے لگا۔ اور مغرب

سے پہلے پہلے ہم لوگ جذب و شوق کی عجیب و غریب کیفیت کے ساتھ مدینے میں داخل ہوئے۔

پیارے رسولؐ کی مسجد پر نظر پڑی، دِل کی دھڑکن تیز ہوگئی اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

مسجدِ نبویؐ میں درسِ حدیث کا ایک منظر

کانپتے قدموں سے مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے نماز پڑھی، نماز کے بعد رسولؐ کے روضۂ پاک پر حاضر ہوئے۔ دِل کو سنبھالتے ہوئے سلام پڑھا اور لوٹے، دیکھا کہ مسجد میں ایک بزرگ نہایت سلیقے اور ادب کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، چاروں طرف کچھ نوجوان عقیدت سے سر جھکائے خاموش بیٹھے ہیں اور بڑے شوق سے ان بزرگ کی باتیں سُن رہے ہیں۔ مَیں نے دیکھا کہ ان بزرگ کا چہرہ نورِ علم سے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ ایک چادر باندھے ہوئے ہیں اور ایک چادر اوڑھے ہوئے ہیں اور بڑے جذبے کے ساتھ ذرا اونچی آواز میں فرما رہے ہیں،

مجھ سے نافع نے اور نافع نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ فرمایا مجھ سے اس قبر میں آرام فرمانے والے نے۔ یہ کہا اور سیدھے ہاتھ سے روضۂ پاک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حدیث سنائی۔

یہ نظارہ دیکھ کر مجھ پر ہیبت چھا گئی اور جہاں جگہ ملی وہیں خاموشی سے بیٹھ گیا۔ امام صاحب بار بار اسی طرح فرماتے مجھ سے نافع نے اور نافع نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ فرمایا مجھ سے اس قبر میں آرام فرمانے والے نے اور روضۂ پاک کی طرف ہاتھ پھیلا کر اشارہ کرتے اور حدیث سناتے اور حدیث کے شائقین انتہائی ادب اور یکسوئی کے ساتھ بیٹھے سُن رہے۔

امام شافعیؒ کا حیرت انگیز حافظہ

میں نے بھی زمین سے ایک چھوٹا سا تنکا اٹھایا۔ جب امام صاحب کوئی حدیث بیان فرماتے تو میں اس تنکے کو اپنے لعاب میں بھگو کر اپنی ہتھیلی پر لکھ لیتا، امام مالکؒ میری اس حرکت کو دیکھ رہے تھے مگر مجھے خبر نہ تھی۔ آخر کچھ دیر بعد مجلس برخاست ہو گئی۔ سب لوگ اُٹھ اُٹھ کر جانے لگے، امام مالکؒ برابر مجھے دیکھ رہے تھے کہ میں بھی اٹھ کر جاتا ہوں یا بیٹھا رہتا ہوں، سب لوگ چلے گئے اور میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔

امام مالکؒ نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں قریب جا کر ادب کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک تو مجھے بڑے غور سے دیکھتے رہے، پھر فرمایا۔

کیا تم حرم کے رہنے والے ہو؟

مَیں نے عرض کیا جی ہاں !

فرمایا" خدا کے فضل سے سب خوبیاں موجود ہیں، مگر مَیں نے تمھیں ایک بے ادبی کرتے دیکھا۔ اب ذرا مَیں اور متوجہ ہوا۔ اور پوچھا بتائیے حضرت میری کس بے ادبی سے آپ کو دُکھ پہنچا۔

فرمایا: مَیں تو خدا کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیثیں سنا رہا تھا۔ اور تم سننے کے بجائے تنکوں سے اپنے ہاتھ پر کھیل رہے تھے !

مَیں نے سنجیدگی اور ادب کے ساتھ عرض کیا۔ حضرت ! دراصل مَیں کھیل نہیں رہا تھا۔ بلکہ آپ جو کچھ سنا رہے تھے۔ مَیں تنکے سے اپنی ہتھیلی پر لکھتا جا رہا تھا تاکہ یاد رہے، چونکہ میرے پاس کوئی اور چیز نہ تھی اس لیے مجبوراً مجھے ایسا کرنا پڑا۔ حضرت مالکؒ کو بڑا تعجب ہُوا اور کچھ دیر تک مجھے دیکھتے رہے، پھر میرا ہاتھ اپنی طرف کھینچا اور دیکھ کر فرمایا۔ اس پر تو کچھ بھی نہیں لکھا ہے ! مَیں نے عرض کیا۔ حضرت لعاب سے لکھا تھا۔ لعاب سوکھ گیا، ہاں جتنی حدیثیں آپ نے سنائی تھیں خدا کے فضل و کرم سے وہ سب مجھے یاد ہو گئیں۔ امام صاحب کو اور بھی تعجب ہُوا اور بولے اچھّا سب حدیثیں نہیں تم ایک ہی حدیث پوری سنا دو۔ مَیں نے فوراً کہنا شروع کیا۔

مجھ سے مالکؒ نے نافع اور ابنِ عمر کے واسطے سے روایت کی ہے کہ

فرمایا اس قبر میں آرام فرمانے والے نے اور حضرت مالکؒ کی طرح میں نے بھی ہاتھ قبر شریف کی طرف پھیلا کر اشارہ کیا اور اس طرح وہ پچیسوں حدیثیں سنا دیں جو امام مالکؒ نے اس وقت کی نشست میں سُنائی تھیں۔ امام صاحبؒ کو حیرت بھی ہوئی اور بے انتہا خوشی بھی۔

امام مالکؒ کے یہاں قیام

اب شام ہو چکی تھی، ہم لوگوں نے مغرب کی نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے خادم سے کہا، چلو اپنے آقا کے ساتھ جاؤ اور مجھ سے فرمایا چلیے گھر تشریف لے چلیے۔

میں فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور خادم کے ساتھ مالکؒ کے گھر روانہ ہو گیا جب گھر پہنچا تو خادم مجھے اپنے ساتھ ایک مختصر سے کمرے میں لے گیا پھر فرمایا گھر میں قبلہ کا رُخ یہ ہے، پانی کا لوٹا یہاں رکھا ہے۔ اور بیت الخلاء اس طرف ہے تھوڑی دیر بعد امام مالکؒ خود تشریف لے آئے۔ ساتھ میں ایک خادم تھا جس کے ہاتھوں پر کھانے کا خوان تھا۔ امام مالکؒ صاحب نے خوان خادم کے ہاتھ سے لے کر فرش پر رکھا اور مجھے گرم جوشی کے ساتھ سلام کیا۔

ہاتھ دھلانے کے آداب

خادم سے فرمایا چلو ہاتھ دھلاؤ۔ خادم پانی کا برتن لے کر میری طرف بڑھا لیکن حضرت نے ٹوکا اور کہا اتنا نہیں جانتے کہ پہلے میزبان کو ہاتھ دھونا چاہیئے اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پہلے مہمان کو ہاتھ دھونا چاہیئے۔

مجھے امام صاحبؒ کی یہ بات بہت ہی پسند آئی۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: چونکہ میزبان کھانے پر مہمان کو بلاتا ہے اس لیے پہلے میزبان کو ہی ہاتھ دھو کر دسترخوان پر پہنچنا چاہیئے اور کھانے کے بعد میزبان اس لیے آخر میں ہاتھ دھوتا ہے کہ شاید کوئی اور مہمان آجائے تو میزبان اس کا ساتھ دے سکے۔

میزبان کا مثالی کردار

امام صاحبؒ نے خوان کھولا۔ اس میں دو برتن تھے، ایک میں دودھ تھا اور ایک میں کھجوریں۔ امام صاحبؒ نے بسم اللہ کی، میں نے بھی بسم اللہ کی اور دونوں نے کھانا کھایا، امام مالکؒ کا خیال تھا کہ یہ کھانا ہم دونوں کے لیے ناکافی ہے اس لیے کہنے لگے، بھائی! ایک قلاش فقیر دوسرے فقیر کے لیے جو کچھ پیش کر سکتا ہے وہ یہی ہو سکتا ہے۔

میں نے عرض کیا حضرت! آپ نے تو مجھ پر احسان فرمایا ہے، بھلا آپ معذرت کیوں کرتے ہیں معذرت تو وہ کرے جس سے کوئی قصور ہوا ہو۔

کھانے کے بعد دیر تک امام صاحبؒ میرے پاس بیٹھے رہے اور گفتگو ہوتی رہی، رات گئے تک حضرت مالکؒ مکے والوں کے حالات پوچھتے رہے، جب رات بہت زیادہ ہوگئی تو امام صاحب اُٹھے اور فرمایا اب آپ آرام کیجئے سفر سے آتے ہیں تھک گئے ہوں گے۔ میں واقعی کافی تھکا ہوا تھا۔ کئی دن سے مسلسل سفر میں تھا اور آرام کا موقع بالکل نہ مل سکا تھا۔ لیٹتے ہی بے خبر سو گیا۔

سحر کے وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور بڑی ہی شفقت کے ساتھ فرمایا۔ آپ پر خدا کی رحمت ہو۔ نماز کا وقت ہو گیا ہے، میں فوراً اٹھا آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ خود امام مالکؒ ہاتھ میں پانی بھرا لوٹا لیے کھڑے ہیں، یہ دیکھ کر مجھے بڑی شرم آئی۔ امام صاحبؒ انتہائی ذہین آدمی تھے، میری کیفیت فوراً تاڑ گئے اور نہایت محبت کے ساتھ بولے بھائی تم کوئی خیال نہ کرو۔ مہمان کی خدمت تو کرنا ہی چاہیئے اور پھر اُس مہمان کی جو حقیقت میں خدا کے رسولؐ کا مہمان ہے، میں نے محسوس کیا کہ امام مالکؒ بہت بڑے انسان ہیں، میں چستی کے ساتھ نماز کی تیاری کرنے لگا۔ اور تیاری کر کے مسجد نبویؐ میں پہنچا۔ سُنتیں پڑھیں اور جماعت کے انتظار میں بیٹھ گئے۔

فجر کی نماز اور امام مالکؒ کا درس

تھوڑی ہی دیر میں امام صاحبؒ مصلے پر پہنچے اور بڑے سکون کے ساتھ نماز پڑھائی نماز کے لیے آپ کھڑے ہوئے تو کافی اندھیرا تھا بلکہ نماز کے بعد بھی ایسا اندھیرا تھا کہ کوئی کسی کو پہچان نہیں سکتا تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر سب لوگ اسی طرح اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے اور ذکر و تسبیح میں مشغول ہو گئے میں بھی بیٹھا رہا۔

جب پہاڑیوں پر دھوپ خوب چمکنے لگی تو امام صاحبؒ اسی جگہ پر اسی شان کے ساتھ آج پھر بیٹھ گئے، جہاں کل بیٹھے تھے اور اپنی کتاب مؤطا میرے ہاتھ میں دے دی، میں نے ادب کے ساتھ کتاب سنانا شروع کی اور طلبہ لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ اب یہ روزانہ کا معمول تھا۔ میں نے امام صاحبؒ کے یہاں اس طرح پورے آٹھ مہینے گزارے اور مجھے پوری مؤطا حفظ ہو گئی۔

یہ آٹھ مہینے میری زندگی کے بڑے ہی قیمتی تھے، ان آٹھ مہینوں میں امام صاحبؒ کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی اور میں ان سے اتنا قریب ہو گیا کہ انجان آدمی ہماری بے تکلفی دیکھ کر اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ کون مہمان ہے اور کون میزبان۔

اب حج کا زمانہ قریب آیا۔ حج سے فارغ ہو کر مصر کے کچھ لوگ امام صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مؤطا سننے کی خواہش ظاہر کی اور میں نے امام صاحبؒ کی پوری مؤطا زبانی سنا دی۔

عراق والوں سے ملاقات

ان کے بعد عراق کے کچھ لوگ روضۂ اطہر پر سلام پڑھنے کے لیے حاضر ہوئے، میں بھی ان کو دیکھنے کے لیے پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ روضۂ اطہر اور ممبر کے درمیان ایک خوبصورت نوجوان صاف ستھرے کپڑے پہنے کھڑے ہیں اور نہایت سکون اور سلیقے کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں رنگ ڈھنگ سے بڑے ہی بھلے آدمی معلوم ہو رہے ہیں، میں نے آگے بڑھ کر پوچھا!

بھائی آپ کا نام کیا ہے؟ اور آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟

کہنے لگے۔ بھائی میرا وطن عراق ہے۔

میں نے پوچھا کونسا عراق۔

بولے: کوفہ

کوفہ کا نام سنتے ہی کچھ یادیں میرے ذہن میں تازہ ہو گئیں اور میں نے پوچھا: بھائی آپ جانتے ہیں کہ آج کل کوفہ میں کتاب و سنّت کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟

بولے، ابو یوسف اور محمد ابن حسن۔ یہ دونوں بزرگ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں اور کوفے کے قابلِ اعتماد مفتی ہیں۔

مَیں نے کہا، کیا آپ مجھے یہ بتا سکیں گے کہ عراق کو آپ کی واپسی کس دِن ہو گی۔

کہنے لگے کل صبح سویرے ہی ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ یہ سنتے ہی مَیں دوڑا ہُوا امام مالکؒ کے پاس آیا اور کہا، کہ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ مَیں گھر سے صرف اس لیے نکلا ہُوں کہ زیادہ سے زیادہ حدیث کا علم حاصل کر دوں، سنا ہے کہ کوفہ میں بھی حدیث کے بڑے بڑے علماء موجود ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ ان کی خدمت میں بھی حاضری دوں اور کچھ فیض حاصل کروں، ایک موقع بھی ہاتھ آگیا ہے کل ہی یہاں سے عراق کا ایک قافلہ واپس جا رہا ہے، مَیں ان کی رفاقت میں سہولت کے ساتھ عراق پہنچ جاؤں گا۔

امام صاحب نے بڑی ہمت بندھائی اور فرمایا علم کے فائدے کبھی ختم نہیں ہوتے آپ تو جانتے ہی ہیں کہ طالب علم کے لیے فرشتے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ آپ ضرور جائیں ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

عراق کے قافلے کے ساتھ

امام مالک کی یہ باتیں سُن کر میری بہت ہمّت بندھی، مَیں نے عراق جانے کا پکّا ارادہ کر لیا اور ان لوگوں کو اطلاع کر دی کہ مَیں بھی آپ لوگوں کے ساتھ چلوں گا۔

امام صاحب نے رات ہی میں میرے لیے راستے کا سامان اور کھانا وغیرہ تیار کرا دیا۔ اور صبح سویرے مجھے عراق والوں کے ساتھ رخصت کرانے مدینہ سے باہر بقیع تک آئے۔

غیبی مدد

بقیع پہنچ کر آپ نے آواز لگوائی کہ کیا کوفہ تک جانے کے لیے کسی کے پاس کوئی اونٹ کرایہ پر ہے؟ یہ آواز سُن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ آواز کئی بار لگی۔ مجھ سے رہا نہ گیا اور مَیں نے امام مالک سے کہا حضرت یہ آپ کیا کر رہے ہیں نہ تو میرے پاس کوئی پیسہ ہے اور نہ آپ کے پاس، آپ کی جو حالت ہے وہ مجھے خوب معلوم ہے اور آپ کرائے پر میرے لیے اونٹ کر رہے ہیں تو آخر یہ کیسے

امام صاحب مسکرائے اور پھر رازداری کے انداز میں بولے۔

رات عشاء کی نماز کے بعد جب میں آپ کے پاس سے اُٹھ کر گیا تو کچھ ہی دیر کے بعد ایک صاحب نے دروازے پر آواز دی، میں باہر نکلا تو دیکھا کہ عبدالرحمٰن ابن قاسم کھڑے ہیں اور ہاتھ میں کچھ تحفہ ہے، بہت اصرار کرنے لگے کہ حضرت یہ تو آپ ضرور ہی قبول فرمالیں۔ میں راضی ہو گیا تو میرے ہاتھ میں انھوں نے وہ تھیلی پکڑا دی۔

تھیلی لے کر میں اندر پہنچا۔ کھول کر دیکھا تو اس میں سو دینار تھے، پچاس میں نے اپنے بال بچوں کے لیے رکھ لیے اور پچاس آپ کے لیے لے آیا ہوں، امام صاحب کی یہ دریا دلی اور سخاوت دیکھ کر میں انتہائی متاثر ہوا اور میرے دل نے کہا یہ کتنا بڑا انسان ہے۔

چار دینار کرایہ پر کوفے کے لیے اونٹ طے ہو گیا۔ امام مالک نے چار دینار اونٹ والے کو دیئے اور باقی رقم سب میرے حوالے کر دی، ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ امام صاحب دیر تک کھڑے ہمارے قافلہ کو دیکھتے رہے۔ اور پھر نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ ہمارا قافلہ برابر چلتا رہا۔ ہمیں چلتے ہوئے اب چوبیسواں دن تھا۔

کوفہ میں داخلہ

کوفہ اب قریب تھا۔ عصر سے پہلے پہلے ہم لوگ کوفہ میں داخل ہو گئے۔

میں مسجد میں پہنچا تو عصر کی نماز ہو چکی تھی، میں نے نماز پڑھی اور ایک طرف کو بیٹھ گیا۔ اسی دوران میں ایک نوجوان نظر پڑا جو نماز پڑھ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ نماز ٹھیک نہیں پڑھ رہا ہے، میں نے اسے ٹوکا اور نصیحت کی، بھائی نماز تو ذرا سکون سے ٹھیک ٹھیک پڑھ لیا کرو۔ خدا تمھارے اس چاند سے مکھڑے کو عذابِ جہنم سے بچائے۔

نوجوان کو میری یہ بات بہت بری لگی بولا آپ شاید حجاز کے رہنے والے ہیں۔ یہ روکھاپن اور سخت مزاجی حجاز والوں ہی میں ہوتی ہے۔ عراق والوں جیسی نرمی اور خوش مزاجی ان کو کہاں نصیب ہے اور پھر ذرا تیز لہجہ میں بولا۔ مجھے اس مسجد میں پندرہ سال نماز پڑھتے ہوئے ہو گئے۔ آپ جانتے ہیں یہ کس کی مسجد ہے! یہاں ابو یوسف اور محمدؒ بن حسن جیسے علماء نماز پڑھنے آتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں۔ مجھے آج تک کبھی اُن بزرگوں نے نہیں ٹوکا۔ آپ چلے ہیں اعتراض کرنے۔ یہ کہتے ہوئے نوجوان نے بڑی حقارت سے اپنی چادر میری طرف جھاڑی اور منہ ہی منہ میں کچھ کہتا ہوا مسجد سے باہر نکل گیا۔ مجھے نوجوان کی ان باتوں سے خفت بھی ہوئی اور حیرت بھی کہ امام محمدؒ اور ابو یوسف نے اس کو ٹوکا کیوں نہیں۔

امام شافعی کا امتحان

اتفاق دیکھیے کہ مسجد کے دروازے پر ہی امام ابو یوسف اور امام محمدؒ بھی

موجود تھے، نوجوان نے ان سے کہا، حضرت آپ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے مجھے زمانہ ہو گیا ہے۔ آپ بتائیں کبھی آپ حضرات نے میری نماز میں کوئی خرابی محسوس کی۔ دونوں بزرگوں نے فرمایا، نہیں تو، خدا شاہد ہے ہم نے تو کبھی کوئی کوتاہی محسوس نہیں کی۔

نوجوان یہ جواب سن کر خوش ہوا اور بولا۔ اندر مسجد میں حجاز کا ایک مسافر آیا ہے۔ میں نماز پڑھ رہا تھا، نماز کے بعد اس نے کہا، بھائی ذرا نماز تو ٹھیک ٹھیک پڑھ لیا کرو۔ اور کئی ایک کوتاہیاں بتا ڈالیں۔ دونوں بزرگوں نے نوجوان کی بات سن کر طے کیا کہ مسافر کا امتحان لیا جائے اور انھوں نے اس سے کہا جاؤ ان سے پوچھ کے آؤ کہ نماز میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

نوجوان نے آکر مجھ سے پوچھا میں نے کہا۔ نماز میں دو فرض اور ایک سنّت کے ساتھ داخل ہونا چاہیئے۔ اس نے یہ جواب ان دونوں بزرگوں کو پہنچا دیا۔ دونوں سمجھ گئے کہ مسافر کچھ پڑھا لکھا ہے یہ جواب کسی پڑھے لکھے آدمی کا ہی ہو سکتا ہے، انھوں نے اس کو پھر میرے پاس بھیجا کہ جا کر یہ پوچھو وہ دو فرض کیا ہیں اور ایک سُنّت کون سی ہے؟

میں نے کہا پہلا فرض نیّت ہے اور دوسرا فرض تکبیر تحریمہ ہے

اور سُنت تکبیر کہتے وقت دونوں ہاتھوں کا اُٹھانا ہے۔ نوجوان نے اُن کو یہ جواب پہنچا دیا۔

اب امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ خود مسجد میں تشریف لائے اور دُور سے مجھے بغور دیکھتے رہے، جب انھوں نے دیکھا کہ یہ تو نوعمر لڑکا ہے تو کوئی اہمیت نہ دی۔ پھر یہ حضرات مسجد میں ایک طرف کو بیٹھ گئے اور اس نوجوان کو بھیج کر مجھے بلوایا۔ نوجوان نے آکر مجھ سے کہا کہ چلو علماء کی خدمت میں چلو۔ یہ پیغام سُنتے ہی مَیں تاڑ گیا کہ اب امتحان کا موقع ہے۔ مَیں بھی اکڑ گیا اور مَیں نے اس کو جواب دیا کہ جاؤ ان سے کہنا کہ پیاسے علم کے پاس آتے ہیں علم خود پیاسوں کے پاس نہیں جاتا۔ اور مجھے آخر تمھارے عالموں سے ملنے کی ضرورت کیا پڑی ہے؟

میرا یہ جواب سُنتے ہی دونوں بزرگ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور میرے پاس آکر انھوں نے سلام کیا۔ مَیں بھی کھڑا ہو گیا اور مسکراتے ہوئے تواضع کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ پھر وہ دونوں حضرات بیٹھ گئے اور مَیں بھی ادب کے ساتھ سامنے بیٹھ گیا۔ امام محمدؒ نے گفتگو شروع کی:

امام محمدؒ: کیا آپ حرم کے رہنے والے ہیں؟

مَیں : جی ہاں، مَیں حرم کا باشندہ ہُوں۔

امام محمدؒ: آپ عرب ہیں یا عجم کی اَولاد ہیں؟

مَیں : اَللّٰہ کا شکر ہے عرب کی اَولاد ہُوں۔

امام محمدؒ: کون عرب؟

مَیں : مطلّب کی اَولاد سے ہُوں۔

امام محمدؒ: مطلّب کی کس اَولاد سے؟

مَیں : شافع کی اَولاد سے۔

امام محمدؒ: کیا آپ نے مالکؒ کو دیکھا ہے؟

مَیں : جی ہاں، مَیں مہینوں ان کے پاس رہا ہُوں اور اس وقت اُنہی کے پاس سے آرہا ہُوں۔

امام محمدؒ: کیا آپ نے امام مالکؒ کی کِتاب مؤطا بھی دیکھی ہے۔

مَیں : دیکھی ہی نہیں بلکہ خدا کے فضل سے پُوری مؤطا حفظ کر چکا ہُوں۔

امتحان کا پرچہ

امام محمدؒ کو میری بات کا کچھ یقین نہ ہُوا۔ اسی وقت انھوں نے کاغذ اور قلم منگوایا اور کچھ سوالات لکھّے اور ہر دو سوالوں کے بیچ میں

جواب کے لیے خالی جگہ چھوڑ دی اور کاغذ میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا لیجئے، اِن مسائل کے جوابات مؤطا کی روشنی میں لکھیئے، مَیں نے کاغذ ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ کر کے خدا کی کتاب، رسولؐ کی سُنّت اور اُمّت کے اجماع کی روشنی میں تمام مسائل کے جوابات لکھ دیئے اور ایک نظر کاغذ پر ڈال کر امام محمدؒ کی طرف بڑھا دیا۔

امام صاحب کچھ دیر تک جوابات پڑھتے رہے پھر اپنے خادم کو بلوایا اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے کہا آپ کو گھر لے چلو اور مجھ سے فرمایا چلئے خادم کے ہمراہ غریب خانے پر تشریف لے چلئے۔

امام محمدؒ کی قیامگاہ میں

مَیں بغیر کسی تکلّف کے خادم کے ساتھ ہو لیا۔ مسجد کے دروازے پر پہنچا تو خادم نے بڑے احترام سے کہا۔ مالک کا ارشاد ہے کہ مَیں مکان تک آپ کو سواری پر لے جاؤں اور جلد ہی ایک بنا سجا خچر لے کر آ گیا۔ جب مَیں اپنے جسم کے پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھ اس سجے سجائے خچر پر بیٹھا تو اپنے چیتھڑوں پر بڑی شرم آئی، اور اپنی قلاشی بُری طرح کھٹکنے لگی۔ راستہ بھر بڑا افسوس ہوتا رہا۔

خادم خچر کی لگام پکڑے ہوئے کوفہ کے گلی کوچوں میں سے گزر رہا

تھا، مَیں کبھی اس کے صاف ستھرے لباس کو دیکھتا اور کبھی اپنے چیتھڑوں کو اور شرم سے گردن نیچی کر لیتا۔ کچھ ہی دیر میں ایک عالیشان کوٹھی کے سامنے خادم نے خچر لا کر روک دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کوٹھی کے دروازوں اور پھاٹکوں پر گنگا جمنی نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھے حجاز والوں کی غریبی اور ناداری یاد آگئی اور بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔ اسی حالت میں میری زبان سے نکلا۔ افسوس عراق والے تو سونے چاندی سے اپنے گھروں کو سجائے ہوئے ہیں اور حجاز والے گوشت کی بوٹیوں اور سوکھی گٹھلیوں کو ترس رہے ہیں۔

مَیں رو رہا تھا کہ اسی وقت امام محمدؒ بھی تشریف لے آئے۔ مجھے روتا دیکھ کر ان کے ذہن میں کوئی اور خیال دوڑا اور انتہائی سادگی سے فرمایا، بھائی یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں۔ اس سے آپ کوئی بُرا اثر نہ لیں۔ خدا کا شکر ہے یہ جو کچھ بھی آپ دیکھ رہے ہیں، یہ سب حلال کمائی کا ہے اور خدا کی توفیق سے مَیں ہر سال زکوٰۃ کی پائی پائی پوری پابندی سے ادا کرتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ خدا اس کی زکوٰۃ کے لیے میری پکڑ نہ فرمائے گا۔ میرے دوست دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب دشمنوں کی نگاہ پڑتی ہے تو ان کے دلوں پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔ یہ کہنے کے بعد آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر میں میرے لیے

ایک نفیس جوڑا لے کر آگئے۔ اور مجھ سے کہا، بھائی نہا دھو کر اس کو پہن لیجئے یہ ایک بھائی کا اپنے بھائی کے لیے محبّت کا تحفہ ہے۔ مَیں نے دیکھا تو بڑی خوشی ہوئی۔ جوڑا کم از کم ایک ہزار کی قیمت کا ہو گا۔

شافعیؒ حافظہ کا ایک اور کمال

مَیں نے خوشی خوشی کپڑے پہنے اور آکر بیٹھ گیا۔ امام صاحب نے میری دِل جُوئی اور وقت گزاری کے لیے اپنے کتب خانہ سے "الکتاب الاوسط" نکال کر دی اور فرمایا، اس کا مطالعہ کرتے رہیئے دِل بہلے گا۔ مَیں نے کِتاب کو الٹ پلٹ کر دیکھا بہت پسند آئی اور شب کو مَیں نے اُسے یاد کرنا شروع کر دیا۔ خدا کے فضل وکرم سے صبح ہونے سے پہلے پوری کِتاب مجھے حفظ ہو گئی۔ مگر امام محمدؒ کو اس کی مطلق خبر نہ تھی۔

امام محمدؒ کے فتوے کی اِصلاح

کوفے میں اس وقت امام محمدؒ ہی سب سے بڑے مفتی مانے جاتے تھے اور ان کے فتوے پر سب اعتماد کرتے تھے، ایک دن مَیں ان کے پاس دائیں جانب بیٹھا ہوا تھا کہ ایک صاحب آئے

اور انھوں نے آپ سے ایک مسئلہ دریافت کیا۔

امام محمدؒ نے غور سے پوچھنے والے کی بات سُنی اور نہایت اطمینان سے فرمایا، بھائی اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ نے اس رائے کا اظہار کیا ہے۔

یہ جواب سُن کر میں ذرا کھٹکا اور فوراً بول پڑا حضرت آپ سے بھول ہو رہی ہے دراصل اس مسئلہ میں امام صاحب کا قول یہ ہے اور "الکتاب الاوسط" میں امام صاحبؒ نے یہ مسئلہ فلاں مسئلہ کے بعد اور فلاں مسئلہ سے پہلے بیان فرمایا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے الفاظ یہ ہیں "......"

امام محمدؒ کو کچھ ندامت بھی ہوئی اور حیرت بھی، فوراً کتاب منگوائی اور مسئلہ دیکھا تو واقعی میری بات صحیح تھی، اسی وقت انھوں نے اپنے جواب سے رجوع کیا۔ میرے اس حیرت انگیز حافظے پر انھیں بڑا تعجب ہُوا۔ اب مجھے امام محمدؒ کے یہاں رہتے ہُوئے کافی دِن ہو چکے تھے۔

کوفے سے روانگی

ایک دِن مَیں نے امام محمدؒ سے کہا حضرت آپ کا سلوک دیکھ کر تو

جی چاہتا ہے کہ آپ کے پاس سے کہیں نہ جاؤں لیکن جس مقصد کی خاطر میں اپنی بوڑھی ماں کو چھوڑ کر نکلا ہوں اس کا تقاضا ہے کہ آپ مجھے اجازت دے دیں۔

مسکراتے ہوئے جواب دیا نہیں بھائی ہم تو اپنے مہمان کو جانے کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔ جب میں نے اصرار کیا تو فرمایا اچھا ایک شرط ہے میرے پاس جو مال و دولت ہے اس میں سے آپ آدھا قبول کر لیجئے تو جا سکتے ہیں، میں نے کہا حضرت آپ کو معلوم ہی ہے میں گھر سے مال و دولت کمانے نہیں نکلا ہوں، بوڑھی ماں نے مجھے اس لیے اپنے سے جدا کیا ہے کہ میں اپنے سینے کو علم حدیث کی دولت سے بھروں، اس لیے آپ مجھے خوشی خوشی اجازت دے دیں کہ میں سفر پر نکلوں اور اپنی بوڑھی ماں کی تمناؤں کو پورا کروں۔

امام محمد خاموش ہو گئے اور گھر سے وہ ساری نقدی منگوائی جو موجود تھی، یہ تین ہزار کی رقم تھی، سب کی سب میرے حوالے کی۔ میں نے کہا حضرت میں اتنی بڑی رقم کا کیا کروں گا۔ فرمایا نہیں یہ ایک بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی کے لیے ہدیہ ہے۔ اسے قبول کیجئے اور اپنے سفر میں اس سے فائدہ اٹھائیے۔ میں سفر پر روانہ ہوا اور عراق و فارس میں شہروں شہروں گھومتا رہا۔ جہاں کسی عالم حدیث کی خبر ملتی بس میں

پہنچ جانا اور جو کچھ اس سے مل سکتا حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔
فارس کی سیاحت کرتے کرتے اب میری عمر اکیس سال کی ہو گئی تھی۔

بغداد کے دروازے پر

پھر میں ہارون الرشید کے زمانے میں عراق آگیا۔ یہاں بغداد کے پھاٹک پر میں نے قدم رکھا ہی تھا کہ ایک شخص نے مجھے روکا اور نہایت نرمی کے لہجے میں پوچھا: حضرت آپ کا نام؟

میں نے کہا میرا نام محمد ہے۔

پوچھا: والد صاحب کا نام؟

میں نے کہا میرے والد کا نام ادریس شافعی ہے۔

پھر پوچھا: آپ مطلب کی اولاد سے ہیں؟

میں نے کہا جی ہاں میں مطلب کی اولاد سے ہوں۔

پھر اس نے دھیرے دھیرے دو بار کہا: محمد ابن ادریس شافعی، محمد ابن ادریس شافعی، اور جیب سے ایک نوٹ بک نکال کر میرا نام لکھا اور مجھ سے کہا اب آپ تشریف لے جائیے۔

میں کچھ سوچتا ہوا روانہ ہوا، اور بغداد کی جامع مسجد میں جا کر ٹھہر گیا۔ اب میں اس فکر میں تھا کہ یہ اجنبی کون تھا۔ اس نے میرا تعارف نامہ

کیوں لوٹ گیا۔ دیکھیے اب اس کا انجام کیا ہوتا ہے، اسی ادھیڑبُن میں میری آنکھ لگ گئی۔ آدھی رات کے بعد پولیس نے مسجد پر چھاپہ مارا اور مسجد کے ایک ایک آدمی کو روشنی میں دیکھنا شروع کیا۔ جب میری باری آئی اور مجھ کو دیکھا تو پولیس والے بہت خوش ہوئے اور پکار کر لوگوں سے کہا بھائیو ڈرنے کی کوئی بات نہیں، ایک آدمی کی تلاش تھی خدا کا شکر ہے وہ مِل گیا۔

پھر مجھ سے بولے چلئے امیر المؤمنین کے پاس چلیے میں نے کوئی پس و پیش نہ کی اور ان کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

ہارون الرّشید کے محل میں

یہ لوگ مجھے ہارون الرشید کے محل میں لے گئے۔ جب میں شاہی محل میں داخل ہوا تو دیکھا کہ مسند پر بڑے وقار کے ساتھ ہارون الرشید بیٹھے ہوئے ہیں، میں اندر داخل ہوا اور بغیر کسی جھجک کے صاف اور کراری آواز میں کہا۔ السّلام علیکم!

امیر المؤمنین کو میرا یہ انداز بہت پسند آیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا، میں بے تکلف بیٹھ گیا اور گفتگو شروع ہوئی۔

امیر المؤمنین: کیا آپ ہاشمی ہیں؟

مَیں : جی ہاں مَیں ہاشمی ہُوں۔

امیر المؤمنین : کیا آپ اپنا پورا شجرۂ نسب بتا سکیں گے ؟

مَیں : جی ہاں کیوں نہیں اور مَیں نے اپنا پورا شجرۂ نسب بیان کر دیا بلکہ حضرت آدم علیہ السّلام تک پہنچا دیا۔

امیر المؤمنین : (حیرت و مسرت کے مِلے جِلے انداز میں) بے شک یہ فصاحت و بلاغت اور یہ زورِ بیان مطلّب کی اولاد ہی کا حِصّہ ہے۔

حکُومت میں شرکت کی پیش کش

پھر یہ فرمایا بتائیے کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ مَیں آپ کو مسلمانوں کا قاضی بنا کر اپنی حکومت میں شریک کر لوں، اور آپ سنّتِ رسول ؐ اور اجماعِ اُمّت کے مطابق میرا اور اپنا حکم چلائیں ؟

مَیں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر نہایت جرأت کے ساتھ جواب دیا۔

”افسوس کہ موجودہ حالات میں حکومت میں حِصّہ دار بن کر تو مجھے صبح سے شام تک قاضی رہنا بھی گوارا نہیں ۔“

میرے یہ الفاظ سنتے ہی ہارون الرشید کی چیخ نکل گئی اور دیر تک روتے رہے۔ یہ منظر دیکھ کر محل کے لوگ کچھ پریشان ہوئے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھ سے فریاد کرنے لگے کہ یہ تم نے امیر المؤمنین کے ساتھ

کیا سلوک کیا۔

امیر المؤمنین کے دِل کا بوجھ جب ہلکا ہُوا تو مجھ سے بولے کیا آپ ہماری خاطر دنیا کی کوئی اور چیز قبول فرمالیں گے ؟

مَیں نے کہا ہاں اگر کوئی ایسی چیز ہو جو جلد مل جائے اور مَیں فوراً یہاں سے چلا جاؤں، ہارون الرشید پھر رونے لگے۔ اور روتے ہُوئے حکم دیا کہ ایک ہزار کے درہم فوراً لائے جائیں۔

رقم آگئی اور مَیں لے کر وہاں سے فوراً نکل آیا۔

جب محل سے نکلنے لگا تو خلیفہ کے غلام اور نوکر چاکر دوڑ پڑے اور سب نے مجھے گھیر لیا اور بولے اپنے انعام میں سے ہمیں بھی کچھ دلوائیے مجھے یہ بات کچھ اچھی نہ معلوم ہُوئی کہ ان کو جھڑک کر مَیں نکل آؤں، مَیں نے کہا اچھا یہ بتاؤ تم کتنے آدمی ہو ؟۔ اور مَیں نے اُتنے آدمیوں پر رقم کو برابر برابر تقسیم کر دیا۔ جتنے جتنے درہم سب کے حِصّہ میں آئے اتنے ہی میرے حِصّے میں بھی آئے۔

کتاب الزعفران کی تصنیف

مَیں وہاں سے چند درہم لے کر خدا کا شکر ادا کرتا ہُوا پھر بغداد کی جامع مسجد میں آگیا۔ چند گھڑی آرام کیا اور فجر کی اذان ہو گئی۔ فجر کی

نماز ایک نوجوان نے پڑھائی، نوجوان کی قرأت مجھے بہت بھائی۔ قرآن بہت اچھے انداز سے پڑھتا تھا۔ لیکن پڑھا لکھا کچھ زیادہ نہ تھا۔ نماز میں اس سے غلطی ہو گئی۔ اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اب کیا کرے، اور سجدہ سہو کیے بغیر ہی اس نے سلام پھیر دیا۔

میں نے کہا بھائی نماز پڑھانے والے کو کم از کم نماز کے مسائل تو معلوم ہی ہونے چاہئیں۔ نماز کہاں ہوئی نماز تو لوٹانا پڑے گی۔

اُس نے خاموشی کے ساتھ نماز لوٹائی۔ اس کی اس سعادت اور شرافت سے میں بہت متاثر ہوا۔ اور میں نے اس سے کہا بھائی جاؤ قلم اور کاغذ لے آؤ میں تمھیں سجدۂ سہو کے مسائل لکھ کر دیے دیتا ہوں یاد کر لینا۔ وہ شکریہ کے کلمات کہتا ہوا گیا اور فوراً قلم اور کاغذ لے کر آ گیا۔

خدا نے میرا ذہن بھی کھول دیا اور میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے سجدۂ سہو کے مسائل پر چالیس جز کی ایک مفصّل کِتاب لکھ ڈالی، کِتاب تیار ہوئی تو میں نے نوجوان سے نام پوچھا۔ اس نے اپنا نام زعفران بتایا۔ میں نے چونکہ یہ کتاب اسی کی خاطر لکھی تھی اس لیے کِتاب کا نام بھی اسی کے نام پر "کِتاب الزعفران" رکھ دیا۔

امام شافعیؒ نجران کے تحصیلدار

مجھے بغداد میں رہتے ہوئے اب پورے تین سال ہو چکے تھے، ہارون الرشید کا اصرار اب بہت بڑھ گیا تھا کہ مَیں کوئی نہ کوئی عہدہ ضرور قبول کر لوں، اور اپنی صلاحیتوں سے اُمّت کو فائدہ پہنچاؤں، چنانچہ امیرالمؤمنین نے مجھے نجران کا تحصیلدار بنا دیا اور مَیں وہاں کی زکوٰۃ وصول کرنے لگا۔ مگر مَیں پڑھنے پڑھانے والا آدمی مجھے بھلا ان کاموں سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ کچھ ہی دِن گزرے تھے کہ حاجی لوگ حج کر کے حجاز سے واپس آنے لگے۔ مَیں بھی ملنے گیا اور دِل میں یہ خواہش تھی کہ چل کر ان سے اپنے محسن امام مالک کا حال معلوم کروں اور اپنے وطن کا بھی کچھ حال معلوم کروں۔

امام مالکؒ سے دوبارہ ملاقات کا شوق

یہ سوچ کر مَیں ان لوگوں کی ملاقات کے لیے گھر سے نکلا ایک نوجوان سے ملاقات ہوئی جو مدینہ سے واپس آ رہا تھا۔ مَیں نے کچھ دُور سے اشارہ سے سلام کیا۔ اس نے شتربان سے اُونٹ روکنے کے لیے کہا اور میری طرف متوجہ ہوا۔

میں قریب گیا اور امام مالکؒ اور مکّے کے حالات پوچھنے لگا۔ اس نے کہا خدا کے فضل سے سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ مجھے اس جواب سے کچھ تسلّی نہ ہوئی اور میں نے پھر امام مالک کے بارے میں سوال کیا۔ نوجوان بولا مختصر جواب دوں یا مفصّل؟ میں نے کہا مختصر ہی بتایئے کہنے لگا امام مالک بھلے چنگے ہیں۔ خوب ٹھاٹ باٹ کی زندگی بسر کر رہے ہیں، خدا نے خوب ہی فضل فرمایا ہے اور خوب ہی دیا ہے۔

کیا امام مالکؒ دولت مند ہو گئے ہیں؟ میں نے حیرت سے پوچھا۔

جی ہاں بڑی شان و دبدبے کے دولتمند ہیں، اور بڑے شاہانہ وقار کے ساتھ مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے ہیں۔ نوجوان نے جواب دیا۔

اور میرے دل میں شوق ملاقات نے ہل چل مچا دی، سوچا فقر و فاقہ کی حالت میں تو اس بندۂ مومن کو دیکھا تھا۔ اب دولت کی ریل پیل میں بھی دیکھا جائے کہ خدا کے اس بندے کا کیا حال ہے؟

میری خاموشی اور اس انداز سے نوجوان تاڑ گیا کہ میں امام صاحب کی ملاقات کے لیے بے چین ہوں۔ بولا حضرت آپ کی جدائی عراق والوں کو بہت ہی گراں گزرے گی اور خود میں تو آپ کی جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر آپ جانا ہی چاہتے ہیں تو میرے پاس جو کچھ ہے سب آپ ہی کا ہے۔ لیجئے۔ اور سفر کے انتظامات فرمالیجئے۔

یہ کہہ کر اس نے رقم سے بھری ہوئی ایک تھیلی میری طرف بڑھاتے ہوئے اصرار کیا کہ اس کو قبول فرمائیے۔ میں نے کہا بھائی سب مجھے دے دو گے تو خود کیا کرو گے۔ تمھاری بھی تو آخر ضرورتیں ہیں۔ بولا آپ فکر نہ کیجئے۔ میں اپنی ساکھ اور اثر سے بہت کچھ حاصل کر لوں گا۔ مجھے رقم کی ضرورت تو تھی لیکن میں نے اس طرح لینا گوارا نہ کیا۔ نوجوان نے اصرار کیا کہ اچھا اپنی ضرورت بھر ہی لے کر مجھ پر احسان فرمائیے۔ میں نے تھیلی میں سے آدھی رقم لے لی اور سفر کی تیاری کر کے ربیعہ کی راہ لی۔

آدھے سر کی حجامت، ایک لطیفہ

چند ہی دن میں حرّان کی سرزمین میں داخل ہوا۔ جمعہ کا دن تھا۔ میں نے سوچا جمعہ کے دن غسل کی بڑی فضیلت ہے، نہا لینا چاہیئے اور حمام میں چلا گیا۔ خیال آیا کہ بال بھی بنوا لینا چاہیئے اور میں نے حجام سے بال بنانے کے لیے کہا۔ حجام نے ابھی آدھے سر کے بال کاٹے تھے کہ شہر کا کوئی رئیس حمام میں آیا اور حجام کو حجامت کے لیے بلوایا۔ حجام اس رئیس کا نام سنتے ہی میری حجامت ادھوری چھوڑ کر فوراً چلا گیا۔

کچھ دیر کے بعد حجام واپس آیا اور مجھ سے بولا، آؤ بھئی بال بنوا لو شہر کا ایک معزز آدمی آ گیا تھا اور میرا فوراً جانا ضروری تھا۔ مگر اب میں

نے بال بنوانے سے انکار کر دیا۔ حجام نے میری بات کی کوئی پرواہ نہ کی اور اپنے کام میں لگ گیا۔ مجھے اور بھی ناگوار ہوا۔ مگر کیا کرتا۔ اب میں حمام سے باہر آیا اور جو رقم میرے پاس موجود تھی سب اس حجام کے ہاتھ پر رکھی اور اس سے کہا، تم نے بڑی حماقت کی خبردار کبھی کسی پردیسی کو ایسا حقیر مت سمجھنا۔ حجام کبھی اس بھاری رقم کو دیکھتا کبھی مجھے دیکھتا، اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے اور میں اُسے اس کی بدسلوکی پر ملامت کر رہا تھا۔ لوگ یہ تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے اور الٹا مجھی کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ کہ بھلا حجام کو کوئی اتنی بھاری رقم بھی دیتا ہے، عجیب آدمی ہے۔ یہ تماشا ہو ہی رہا تھا کہ شہر کا کوئی اور رئیس حمام سے باہر نکلا، اس کے سامنے نوکروں نے سواری پیش کی۔ ادھر میں اونچی آواز میں حجام کے اس مسخرے پن پر کچھ تنبیہہ کر رہا تھا۔ میری آواز جو اس کے کان میں پڑی تو فوراً گھوڑے سے اُترا اور میرے پاس آکر بولا۔

حضرت کیا آپ شافعی ہیں؟

میں نے کہا جی ہاں، میں شافعی ہوں۔

علم کا ایک اٹوٹ رشتہ

یہ سنتے ہی اس نے اپنی سواری میری طرف بڑھا دی اور بڑی عاجزی

سے بولا۔ حضرت سواری پر بیٹھئے اور غریب خانے کو رونق بخشئے مَیں بے تکلف سواری پر بیٹھ گیا، اب غلام سر جھکائے آگے چل رہا تھا اور مَیں گھوڑے پر سوار تھا۔ یہ منظر دیکھ کر وہاں کھڑے تماشائی بڑے حیران ہوئے کہ یہ کون عجیب و غریب پردیسی ہے، کہ اپنی ساری پونجی پردیس میں ایک حجّام کے حوالے کر دی اور اس جیسے رئیس نے اپنی سواری اس کے حضور پیش کر کے عزّت محسوس کی۔

تھوڑی دیر ہی میں ہم اس امیر کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ اور کچھ ہی لمحوں بعد وہ امیر خود بھی آ گیا۔ اس کی بے انتہا خوشی اور غیر معمولی تواضع دیکھ کر مَیں حیران تھا کہ بھلا یہ کون شخص ہے جو اس طرح پیش آ رہا ہے تھوڑی ہی دیر میں دستر خوان بچھ گیا۔ قسم قسم کے کھانے چنے گئے اور خود وہ امیر لوٹا ہاتھ میں لے کر بولا حضرت ہاتھ دھوئیے۔ مَیں نے ہاتھ دھو لیے اور بیٹھ گیا۔ لیکن کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔

امیر نے بڑی عاجزی سے کہا، حضرت کیا بات ہے، مزاج گرامی کیسا ہے؟ میں کھانا ہرگز نہ کھاؤں گا۔ مَیں نے کہا اور ذرا اور سمٹ گیا۔

امیر اور گھبرایا اور بولا حضرت کیا بات ناگوار خاطر ہوئی کچھ فرمائیے تو سہی۔ مَیں نے کہا جب تک تم یہ نہ بتاؤ گے کہ تم نے مجھے پہچانا کیسے ایک نوالہ نہ کھاؤں گا۔

وہ مسکرایا اور بولا حضرت یہ کونسی ایسی بات ہے، جب آپ بغداد میں رہتے تھے، اس زمانے میں آپ نے ایک عظیم کتاب لکھ کر سنائی تھی۔ اس کے سننے والوں میں ایک میں بھی تھا۔ اور اس طرح آپ میرے استاد ہیں، آپ کی عظمت وخدمت مجھ پر واجب ہے۔

میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی میں نے اٹھ کر اس کو گلے سے لگایا۔ اور کہا واقعی علم ہی دانشمندوں کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ اور پھر ہم نے خوشی خوشی کھانا کھایا، اور خدا جانتا ہے اتنی خوشی ہوئی جیسے اہلِ علم کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں خوشی ہوتی ہے۔

شاگرد کی پرخلوص پیش کش

اب میں اس کا بے تکلف مہمان تھا۔ اس کے یہاں رہتے ہوئے مجھے تین دن ہو گئے تھے، چوتھے روز ہم لوگ بیٹھے کچھ باتیں کر رہے تھے کہ اس نے نہایت سادگی سے کہا حضرت حرّان کے اطراف میں میرے چار گاؤں ہیں اور خدا گواہ ہے کہ چاروں نہایت زرخیز ہیں۔ ایسے کہ دور دور تک ان کی نظیر نہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ یہیں رہ جائیں اور یہ چاروں گاؤں آپ قبول فرمالیں۔

چاروں گاؤں مجھے دے دو گے تو تمھاری زندگی بسر کیسے ہو گی میں

نے کہا حضرت آپ فکر نہ فرمائیں۔ یہ دیکھیے ان صندوقوں میں چالیس ہزار موجود ہیں میں اس رقم سے کوئی کاروبار کر لوں گا۔

مگر بھائی میں اپنا وطن عزیز چھوڑ کر شہر شہر اس لیے تو نہیں پھر رہا ہوں کہ مجھے دولت کمانا ہے، میں تو اپنی بوڑھی والدہ سے یہ دعائیں لے کر گھر سے نکلا ہوں کہ "خدا تجھے آسمان علم پر سورج بنا کر چمکائے" اُس نے پُرجوش لہجے میں کہا، حضرت یہ تو صحیح ہے۔ اور واقعی آپ نے بہت اُونچا مقصد اپنایا ہے، خدا آپ کو کامیاب فرمائے آمین۔

ایک گزارش یہ ہے کہ یہ نقد رقم ہی قبول فرما لیجئے۔ آپ مسافر ہیں اور نہ معلوم آپ کو اس عظیم مقصد کے لیے کہاں کہاں جانا پڑے ہماری خواہش یہ ہے کہ یہ حقیر رقم تو آپ ضرور ہی قبول فرما لیں، اس نے بڑے ہی خلوص کے ساتھ کہا۔

اس کے خلوص و محبت کو دیکھتے ہوئے میں انکار نہ کر سکا۔

میں نے چالیس ہزار کی وہ رقم نوجوان سے لے لی اور وہاں سے روانہ ہوا۔ حرّان سے جس وقت میں نکل رہا تھا آگے پیچھے بوجھ ہی بوجھ لدے ہوئے تھے۔ فوراً مجھے اُس وقت کا خیال آیا جب میں حرّان میں داخل ہو رہا تھا اور میری زبان سے نکلا خداوندا! تو بڑا ہی بے نیاز ہے، ابھی چار دن پہلے جب میں حرّان میں آیا تھا تو حجام نے میرے ساتھ کیسا ذلت کا سلوک

کیا تھا اور اب یہاں سے رخصت ہو رہا ہوں تو اس شان و شوکت کے ساتھ کہ دولت سے لدا ہُوا ہوں، مگر خدا کا شکر ہے کہ میرے دل میں لمحہ بھر کے لیے بھی مال کی محبّت پیدا نہ ہُوئی۔

راستہ میں احمد ابن حنبلؒ ملے، سفیان بن عینیہ ملے، اوزاعی ملے اور حدیث کے دوسرے بہت سے علماء ملے، اور مَیں نے سب کو دل کھول کر دیا۔ جب میں شہر رملہ میں داخل ہُوا تو میرے پاس چالیس ہزار کی اس رقم میں سے صرف دس دینار باقی رہ گئے تھے۔

مسجد نبویؐ میں دوبارہ حاضری

رملہ میں، مَیں نے کرایہ پر سواری لی، اور اپنے پرانے محسن حضرت مالکؒ کی ملاقات کے لیے حجاز روانہ ہُوا۔ منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہُوا، آخر ستائیسویں دن نبیؐ کے شہر مبارک میں داخل ہُوا، عصر کی نماز سے لوگ فارغ ہو چکے تھے، مَیں سیدھا مسجد میں پہنچا اور نماز عصر ادا کی اب کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد میں لوہے کی ایک شاندار اونچی کرسی رکھی ہوئی ہے جس پر نہایت خوبصورت گدا پڑا ہُوا ہے۔ اور ایک بیش قیمت مصری تکیہ جما ہُوا ہے اور اس پر لکھا ہُوا ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

شاہِ حدیث کی آمد

مَیں ابھی کرسی کو حیرت سے دیکھ ہی رہا تھا کہ باب النبیؐ کی طرف جو نظر اٹھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ مالک ابن انسؒ شاہانہ کرّوفر کے ساتھ آ رہے ہیں، مسجد خوشبوؤں سے مہک اٹھی۔ امام صاحب کے پیچھے حدیث کے شائقین چلے آ رہے تھے۔ جو تعداد میں چار سو سے زیادہ ہی ہوں گے۔ اور مَیں نے دیکھا کہ چار آدمی امام مالک کے جبّے کا دامن اٹھائے سر نیچے کیے چل رہے ہیں۔ امام صاحب نہایت وقار کے ساتھ مسند پر آ کر بیٹھ گئے۔ ایک نظر مجمع پر ڈالی اور درس شروع ہوا۔ آج کے درس کا موضوع تھا "جرحِ عمد" یعنی اگر کوئی کسی کو قصداً زخمی کر دے تو کیا کیا مسائل پیدا ہو سکتے ہیں؟ مَیں بھی ایک طرف کو خاموشی سے بیٹھ گیا۔

ایک اَن پڑھ کا لطیفہ

امام مالکؒ نے جرح عمد کا ایک مسئلہ پیش کیا۔ طلبہ سوچنے لگے میرے قریب ہی ایک اَن پڑھ بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ سے رہا نہ گیا اور مَیں نے آہستہ سے اس کو بتایا کہ اس مسئلہ کا جواب یہ ہے، اس نے اونچی آواز سے امام صاحب کو مخاطب کر کے جواب عرض کیا۔ امام

صاحب خاموش رہے اور طلبہ کے جواب کا انتظار کرنے لگے۔ طالب علموں نے جواب تو دیے لیکن سب غلط تھے۔

مالکؒ نے فرمایا کہ سب جواب غلط ہیں صرف پہلے شخص کا جواب صحیح ہے اور آپ نے وہ جواب اپنی زبان سے دُہرایا۔ یہ دیکھ کر وہ شخص بہت خوش ہُوا۔

امام مالک نے دوسرا مسئلہ پیش کیا۔ طلبہ سوچنے لگے۔ وہ آدمی پھر میرا منہ تکنے لگا۔ مَیں نے پھر جواب بتا دیا۔ اور اس نے اونچی آواز میں پھر وہ جواب بیان کیا طلبہ نے بھی اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیے۔ امام مالک نے سب کے جوابات غور سے سنے اور فرمایا کہ سب کے جواب غلط ہیں صرف اسی پہلے شخص کا جواب صحیح ہے، اب تو وہ شخص بہت ہی خوش ہُوا۔

امام مالک نے تیسرا مسئلہ پیش کیا اور پھر وہی صورت پیش آئی، اب تو اس اَن پڑھ شخص کی طرف لوگوں کی نگاہیں اُٹھنے لگیں اور امام صاحب بھی متوجہ ہُوئے اور بڑے پیار سے فرمایا۔ یہاں میرے قریب آئیے وہ جگہ آپ کی نہیں ہے۔ یہ شخص چاروں طرف نظر ڈالتا ہُوا امام صاحب کے قریب پہنچا اور بیٹھ گیا۔ مالکؒ نے ان سے پوچھا کیا آپ نے مؤطا کا مطالعہ کیا ہے؟

وہ شخص : جی نہیں، میں نے مؤطا نہیں دیکھی ہے،

مالک : کیا ابن جریج کے علم پر آپ کی نظر ہے ؟

وہ شخص : جی نہیں، میں نے ابن جریج کی کوئی کتاب بھی نہیں پڑھی ہے۔

مالک : کیا آپ جعفر ابن محمد صادق سے ملے ہیں ؟

وہ شخص : جی نہیں، میں نے ان سے کچھ نہیں پڑھا ہے۔

مالک : (انتہائی حیرت میں) پھر یہ گہرا علم آپ کو کیسے حاصل ہوا؟

اب وہ ان پڑھ حیران ہوا کہ کیا جواب دے۔ پھر بڑی سادگی سے بولا۔ حضرت جوابات میرے نہیں تھے، یہ سب جوابات اس نوجوان کے ہیں جو اپنی عالمانہ شان چھپائے بیٹھا ہوا ہے اور میری طرف اشارہ کیا۔ میں ذرا دور ایک طرف کو بیٹھا تھا۔ اب تو امام مالک نے بھی منہ پھیر کر مجھے دیکھا اور شاگردوں کی گردنیں بھی اٹھیں۔

امام شافعی امام مالک کے مسند پر

امام مالک نے اس شخص سے کہا جاؤ تم وہیں بیٹھو اور اس عالم نوجوان کو میرے پاس بھیج دو۔ وہ شخص میرے پاس آیا اور میں فوراً اٹھ کر امام مالک کے مسند کے قریب ادب کے ساتھ بیٹھ گیا۔

امام مالکؒ کچھ دیر مجھے دیکھتے رہے، پھر بولے۔ کیا آپ محمد ابن ادریس شافعی ہیں؟ میں نے آہستہ سے جواب دیا جی ہاں خادم شافعی ہے۔ یہ سنتے ہی امام مالک نے مجھے گھسیٹ کر گلے سے لگا لیا۔ اور اپنی کرسی سے اُتر پڑے۔ پھر بڑی بے تکلفی سے فرمایا، چلیے اب آپ مسند پر بیٹھئے اور علم کے اس باب کو پورا کیجئے جو میں نے شروع کیا ہے میں حکم کی تعمیل میں فوراً مسند پر بیٹھ گیا۔ اور "جرح عمد" کے چار سو مسائل پیش کیے۔ طلبہ پر ایسا رعب چھایا کہ کوئی ایک مسئلہ کا بھی ٹھیک ٹھیک جواب نہ دے سکا۔ حضرت مالک نے میری پیٹھ ٹھونکی اور دعائیں دینے لگے۔

امام مالکؒ کا محل دیکھ کر

"اب سورج ڈوب چکا تھا۔ مغرب کی اذان ہوئی اور ہم سب نے نماز ادا کی نماز کے بعد امام مالکؒ نے بڑی شفقت و محبت سے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لے گئے۔

شاندار محل دیکھ کر میں حیران رہ گیا، میں نے پوچھا حضرت وہ پرانا مکان کس جگہ تھا، فرمایا۔ اسی کی زمین پر تو یہ عمارت تعمیر کرائی ہے۔ اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بے اختیار بہ پڑا۔ یہ دیکھ کر حضرت مالکؒ پر بھی رقت طاری ہو گئی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

شافعی! آپ روتے کیوں ہیں؟ کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں دنیا کا طالب بن گیا ہوں اور آخرت کو میں نے دنیا پر قربان کر دیا ہے؟

میں نے کہا حضرت اسی اندیشہ نے میری حالت غیر کر دی اور میرا دِل دہل رہا ہے۔

فرمایا! شافعی! آپ واقعی سچے دوست ہیں۔ اور مجھے توقع ہے کہ جب تک آپ جیسے دوست مجھے میسّر ہیں۔ انشاء اللہ میں دنیا کی فانی لذتوں میں پھنس کر آخرت کو نہ بھولوں گا۔

یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں محض خدا کا فضل ہے میری کوششوں کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہ شائقین علم کے تحفے ہیں جو خراسان سے، مصر سے اور دنیا کے دور دراز گوشوں سے برابر چلے آ رہے ہیں۔ اور آپ جانتے ہی ہیں کہ ہمارے اور آپ کے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم ہدیہ رد نہیں فرماتے تھے اور میں نے بھی سنّت کی پیروی میں کوئی تحفہ رد نہیں کیا۔

دولتِ دُنیا سے امام مالکؒ کی بے نیازی

تحفوں میں دوست احباب نے سب ہی کچھ بھیجا ہے اس وقت آپ چل کر دیکھیے، مصر اور خراسان کے ایک سے ایک نفیس

تقریباً تین سو جوڑے بکسوں میں رکھے ہوئے ہیں۔ اور ہدیوں اور تحفوں کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ اب یہ سب جوڑے آپ کے ہیں میری خواہش ہے کہ آپ یہ دوستانہ ہدیہ قبول فرمالیں۔ اور یہ جو صندوق رکھے ہیں ان میں پانچ ہزار سونے کے دینار ہیں۔ اور میں پورے اہتمام سے ہر سال ان کی زکوٰۃ ادا کرتا ہوں۔ اس میں سے بھی آدھی رقم آپ کی ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ امام مالک یہ کہتے ہوئے بڑی خوشی محسوس کر رہے تھے۔

میں امام مالک کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور میرے دل کا گوشہ گوشہ امام صاحب کی عظمت محسوس کر رہا تھا۔ تیسری بار مجھے احساس ہوا کہ مالک بہت ہی بڑے انسان ہیں ایسے شخص پر ذلیل دنیا کبھی اپنے پنجے نہیں جما سکتی۔

میں نے کہا حضرت میں آپ کی اس مخلصانہ پیش کش کو کیسے رد کر سکتا ہوں، مگر حیران ہوں کہ آپ کا شکریہ میں کیسے ادا کروں! آپ نے دین کی دولت تو مجھے دی ہی تھی۔ دُنیا کی دولت سے بھی مالا مال کر دیا۔

اب میری بھی ایک گزارش ہے، وہ یہ کہ جو کچھ آپ مجھ کو دے رہے ہیں۔ شریعت کی ہدایت کے مطابق اس کا کاغذ بھی ہو جائے تو اچھا ہے۔ وارث آپ کے بھی ہیں اور میرے بھی، کاغذ کی تحریر سے یہ سب کچھ

قانونی طور پر میرا ہو جائے گا۔ اگر میں مر گیا، تو میرے وارث اس کو اپنا حق سمجھیں گے اور آپ کے وارث کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں گے اور اگر خدانخواستہ آپ نے وفات پائی تو یہ مال میرا ہو گا۔ اور آپ کے وارث مطمئن ہوں گے۔

امام مالک یہ سُن کر مسکرا دیئے اور فرمایا بھئی بڑے ہوشیار ہو، یہاں بھی اپنے علم سے کام لے ہی لیا۔ میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا حضرت علم سے کام لینے کا اس سے بہتر موقع اور کون سا ہو گا۔ اور امام مالک نے اسی رات میں تحریر لکھ کر اور قانونی تکمیل کر کے میرے حوالے کر دی۔

رسولؐ کی عظمت کا بے مثال احساس

رات کو میں اس حال میں سویا کہ میں بھی اس شہر کا ایک دولت مند تھا۔ صبح کو امام مالک کے ساتھ نماز پڑھی اور اپنے معمولات سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلا۔ امام صاحب میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے بڑی بے تکلفی کے ساتھ مجھے اپنے گھر لے جا رہے تھے۔ اور میں بھی ان کی محبت سے سرشار باتیں کرتا ہوا ساتھ چل رہا تھا۔ گھر کے دروازے پر پہنچے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ادھر خراسان کے سجیلے گھوڑے

کھڑے ہیں، ادھر مصر کے خوبصورت خچر کھڑے ہیں۔ اور پھر ہم لوگ اندر چلے گئے۔

اندر پہنچتے ہی میری زبان سے نکلا حضرت گھوڑوں کی کونچیں کیا بتاؤں کیسی حسین ہیں! میں نے تو ایسے حسین گھوڑے کبھی دیکھے ہی نہیں! میری زبان سے جملہ پورا ہی ہوا تھا کہ امام مالکؒ نے کہا۔

"یہ سب بھی میں آپ کو ہدیہ کرتا ہوں"

میں نے کہا حضرت! سب کچھ مجھے دیئے دے رہے ہیں کم از کم ایک گھوڑا تو اپنی سواری کے لیے روک لیجئے۔ یہ سنتے ہی مالک پر رقت طاری ہو گئی اور فرمایا۔

شافعی! مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میری سواری اپنی ٹاپوں سے اس زمین کو روندے جس کے نیچے خدا کے رسول آرام فرما رہے ہیں یہ کہتے کہتے آواز گھٹنے لگی اور پھر دیر تک روتے رہے۔

میرا رواں رواں امام مالک کی عقیدت سے سرشار تھا۔ میری نگاہیں ان کے نورانی چہرے پر تھیں جو رسولؐ کی عظمت کے بے مثال احساس سے جگمگا رہا تھا۔ اور عشق کے آنسوؤں سے برابر دھل رہا تھا۔ اور میرے کانوں میں برابر یہ آواز گونج رہی تھی۔

"شافعی! مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میری سواری اپنی ٹاپوں

سے اس زمین کو روندے جس کے نیچے خدا کے رسولؐ آرام فرما رہے ہیں"۔

اور چوتھی بار میرے دِل نے کہا یہ تو بہت ہی عظیم اِنسان ہیں، ان پر دنیائے فانی کے حملے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

وطن کو واپسی

امام صاحب کے یہاں رہتے ہوئے تین دِن ہو چکے تھے اور اب رہ رہ کر بوڑھی ماں کی یاد اور وطن کی محبت ستا رہی تھی، گھر سے نکلے کئی سال ہو چکے تھے۔ اور یہ تمنا تھی کہ بوڑھی ماں سے زندگی میں ملاقات ہو جائے اور وہ اپنی کمزور آنکھوں سے یہ دیکھ کر باغ باغ ہو جائیں کہ پاک تمناؤں کا جو پودا انھوں نے لگایا تھا۔ اور جس کی شادابی کے لیے انھوں نے راتوں کو اٹھ اٹھ کر تنہائی میں اپنے خدا کے حضور دامن پھیلا پھیلا کر اور آنسو بہا بہا کر دعائیں کی تھیں۔ آج وہی پودا خدا کے بے پایاں فضل، اور ان کی مقبول دعاؤں کی برکت سے دین و دنیا کے پھلوں سے لدا ہوا ہے۔ اس شوق نے کچھ ایسا زور کیا کہ اسی وقت مَیں نے امام مالک سے اجازت چاہی اور کہا اب مَیں چاہتا ہوں کہ جلد سے جلد اپنی بوڑھی والدہ کی خدمت میں پہنچوں، جو آٹھ پہر مجھے یاد کرتی رہتی ہوں گی اور میرے تصور میں بے قرار ہوں گی۔

امام مالکؒ نے نہ صرف یہ کہ اجازت دی بلکہ تاکید فرمائی کہ فوراً سفر کی تیاری کی جائے۔ چنانچہ میں نے اسی وقت سفر کے لیے سامان باندھنا شروع کردیا اور ایک آدمی پہلے سے مکّہ کی طرف روانہ کردیا تاکہ وہ گھر اطلاع پہنچا دے اور اب میں اس شان کے ساتھ ہجوم شوق میں روانہ ہوا کہ میرے آگے پیچھے، خراسانی گھوڑے، مصری خچر، کپڑوں، غلوں اور درہم و دینار سے لدے ہوئے تھے۔

سفر تو میں برسوں سے کر رہا تھا لیکن آج کا سفر انتہائی طویل محسوس ہو رہا تھا۔ راستہ میں کبھی مکّے کی گلیوں کا تصوّر آتا۔ کبھی بوڑھی ماں کی محبّت بھری آواز کا خیال آتا۔ کبھی اپنے ساتھی یاد آتے، اور میں انہی یادوں میں مگن وطن سے قریب ہو رہا تھا۔ جب حدودِ حرم میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ عورتیں میرے انتظار میں کھڑی ہیں اور میری ضعیف اور کمزور ماں بھی آغوشِ محبت پھیلائے مجھے گلے لگانے کے لیے بیتاب ہیں جیسے ہی میں قریب پہنچا گھوڑے سے نیچے اترا تو ماں نے گلے لگا لیا اور دیر تک خوشی کے آنسو بہاتی رہیں، پھر میری بوڑھی خالہ آگے بڑھیں، انہوں نے بھی مجھے چمٹا لیا اور میری پیشانی چومتے ہوئے بڑے شوق میں ایک شعر گنگنانے لگیں۔

”موت کی موجیں تیری ماں کو بہا نہیں لے گئیں۔ آج ہر دل مامتا میں

تیرے لیے ماں بنا ہوا ہے۔

مکّہ کی سرزمین پر یہ پہلے محبت بھرے بول تھے جو میں نے سنے اور خوشی میں میرے دل کی عجیب کیفیت تھی، اب مکّے کے بہت سے مرد، عورتیں بچے یہاں جمع ہو گئے تھے۔

امام شافعیؒ کی والدہ ــ ایک مثالی کردار

میں دیر تک وہاں کھڑا کبھی اپنے لائے ہوئے قیمتی سامان کو دیکھتا اور کبھی اپنی بوڑھی ماں کو۔ مگر میں نے دیکھا کہ وہ کچھ غمزدہ سی ہیں۔ سب خوش ہیں مگر میری ماں کے چہرے پر نام کو بھی مسکراہٹ نہیں۔ جب کافی دیر ہو گئی تو میں آگے بڑھنے لگا اور ماں سے بھی عرض کیا کہ چلیے اماں۔

بوڑھی اماں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولیں بیٹے کہاں چلیں؟

میں نے کہا۔ اماں گھر چلیے۔

بولیں، بیٹے یاد ہے، جب میں تجھے رخصت کر رہی تھی۔ تو میرے پاس دو پرانی چادروں کے سوا اور کچھ نہ تھا اور میں نے تیرے شوق کو دیکھ کر وہی تیرے حوالے کیں اور اس طرح تجھے گھر سے روانہ کیا کہ تو ایک تھا اور اس آرزو کے ساتھ روانہ کیا تو حدیثِ رسولؐ کی دولت سے مالا مال ہو کر لوٹے۔ بیٹے! میں نے تجھے یہ دنیا لانے کے لیے کب بھیجا

تھا۔ بیٹے یہ تو غرور کی پونجی ہے۔ کیا تو یہ سب اس لیے لایا ہے کہ اپنے چچا کے بیٹوں پر اپنی بڑائی جتلائے اور انھیں حقیر سمجھے۔

مَیں بالکل خاموش کھڑا اماں کو تک رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ اللہ اکبر! دولتِ دنیا سے یہ بے نیازی، علمِ دین کی یہ عظمت، خدا پر یہ بھروسہ میرا دِل عقیدت سے جُھک گیا۔ اور میری آنکھیں گرم آنسوؤں سے بھیگ گئیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ مجھے یہ جو کچھ ملا ہے، ماں کی مقبول دُعاؤں اور پاک آرزوؤں کی بدولت مِلا ہے، مَیں نے محسوس کیا کہ برسوں پڑھنے اور سیکھنے کے باوجود بھی آج ریت کے اس ٹیلے کے نیچے بوڑھی اماں نے مجھے جو کچھ سکھایا وہ مَیں اب تک جذب نہ کر سکا تھا اور مَیں نے شوق و محبت میں اپنی ماں کے ہاتھ چوم لیے۔

مَیں نے نہایت عاجزی سے کہا، اماں! فرمائیے، اب کیا کروں، بولیں، بیٹے کرنا کیا ہے۔ اعلانِ عام کر دے کہ بھوکے آئیں اور غلّہ لے جائیں، پیادے آئیں اور سواریاں لے جائیں، ننگے آئیں اور کپڑے پہن جائیں، نادار آئیں اور دولت لے جائیں۔

مَیں نے اعلان کر دیا اور ذرا سی دیر میں وہ ساری دولت مکّے کے غریبوں اور ناداروں میں تقسیم ہو گئی۔ اب میرے پاس ایک خچر اور پچاس دینار کے سوا کچھ نہ بچا تھا۔ ہم لوگ مکّے میں داخل ہوئے۔ اتفاق سے

راستے میں میرا کوڑا گر گیا۔ ایک باندی پیٹھ پر مشک لادے جا رہی تھی اس نے لپک کر کوڑا اٹھایا اور نہایت ادب سے میرے حوالے کیا۔

میں نے اس باندی کو انعام دینے کے لیے پانچ دینار نکالے تو ماں نے دیکھ کر کہا بس بیٹے یہی پانچ دینار ہیں تیرے پاس ؟

میں نے: نہیں تو اماں، ابھی دس اور ہیں۔

اماں نے: تو بیٹے، وہ کس لیے رکھے ہیں ؟

میں نے: اماں رکھ لیے ہیں وقت بے وقت کام دیں گے۔ اور غلہ بھی تو نہیں بچا ہے۔ شاید آج ہی ضرورت پڑے۔

اماں نے: ارے بیٹا تعجب ہے، دس دینار پر تو اتنا بھروسہ اور سب کچھ دینے والے پر ذرا بھروسہ نہیں۔ نکال سارے دینار اور اس باندی کے حوالے کر۔

میں نے سارے دینار فوراً اس باندی کے حوالے کر دیئے۔ اور اب میرا ہاتھ بالکل خالی تھا، لیکن دل ایسا غنی تھا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا غنی نہ تھا۔

ماں نے خدا کا شکر ادا کیا اور بڑے پیار سے فرمایا بیٹے اب تو اس حال میں اپنے جھونپڑے میں داخل ہو گا جس حال میں وہاں سے نکلا تھا۔ مگر آج میرے جھونپڑے میں وہ روشنی ہو گی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ بیٹے خدا نے تیری پیشانی میں علم کا نور رکھا ہے، میں نہیں چاہتی کہ یہ نور

دنیا کی فانی راحتوں سے میلا ہو اور اس میں کمی آئے۔
بیٹے! تجھے یاد ہے، میں نے رخصت کرتے وقت تجھے دعا دی تھی کہ خدا تجھے علم کے آسمان پر سُورج بنا کر چمکائے۔ بیٹے میں نہیں چاہتی کہ دنیوی مال و دولت کی بدلیوں میں اس سُورج کی روشنی پھیکی پڑے۔ دُنیا میں بھی خدا تیرے علم کی اس روشنی میں اُمّت کو سیدھی راہ دکھائے۔ اور آخرت میں بھی یہ روشنی مومنوں کے کام آئے۔ آمین۔

اس واقعہ کی خبر دور دور تک پھیل گئی، اور امام مالکؒ کو بھی اطلاع ہُوئی۔ انھوں نے مجھے مبارکباد دی اور یہ پیغام بھیجا کہ آپ یکسوئی کے ساتھ رسُولؐ کے علم کو پھیلائیں میں نے جو کچھ آپ کو دیا تھا۔ اتنا ہی ہر سال بھیجتا رہوں گا، انشاء اللہ اور پھر ہر سال بھیجتے رہے۔ یہ سلسلہ گیارہ سال تک برابر چلتا رہا۔ پھر امام مالکؒ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کے پھُول برسائے اور جنّت میں اپنے نبیؐ کی صحبت بخشے جن کا عِلم سیکھنے اور سکھانے میں امام صاحب نے اپنی پوری زندگی کھپائی۔ آمین۔



امام شافعیؒ کے

اقوالِ زریں

- جو شخص علم سے محبت نہ کرے اس کو اپنا دوست نہ بناؤ۔
- بے حیا کی صحبت قیامت کے دِن رسوائی کا باعث ہو گی۔
- علم کی زینت پرہیزگاری اور بُردباری سے ہے۔
- علم دین حاصل کرنے میں لگے رہنا نفل نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے۔
- ادائے فرائض کے بعد حصولِ علم میں مشغول رہنا ہی قربِ الٰہی حاصل کرنے کا سب سے افضل ذریعہ ہے۔
- علم میں ریاکاری اور نمود و نمائش سے سنگدلی اور کینہ پروری پیدا ہوتی ہے۔
- عالم کے لیے سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ اس چیز سے دلچسپی لے جس سے خدا نے منع کیا ہے اور اس چیز سے بیزاری دکھائے جس کا خدا نے حکم دیا ہے۔
- بے دینی سے وہی بچ سکتا ہے جو اپنے دین کی حفاظت کرے۔
- جس پر دنیا کی محبت غالب ہے وہ دنیا والوں کا غلام ہے۔